بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا • (الہام حضرت مسیح موعود)

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

# پیغام صلح

لاہور
پاکستان

فون نمبر ۵۱۳۷۳

ایڈیٹر
پروفیسر خلیل الرحمٰن
ایم۔ اے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب

کیا یہی تعلیم فرقاں ہے بھلا
کچھ تو آخر چاہیئے خوفِ خدا
مؤمنوں پر کفر کا کرنا گماں
ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشاں

دنیا میں ایک نذیر آیا، پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)

• رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۰۰۸
• تار کا پتہ
• "تبلیغ" لاہور

سالانہ چندہ:
پاک و ہند سے — آٹھ روپے
بیرونی ممالک سے — ایک پونڈ

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۷۶ء | نمبر ۱۶


## ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردھم علیہ السلام

# ہمارا خدا زبردست قدرتوں کا مالک ہے

وہ خُدا نہایت وفادار خُدا ہے۔ اور وفاداروں کے لئے اس کے عجیب کام ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیا چاہتی ہے کہ ان کو کھا جائے اور ہر ایک دشمن اُن پر دانت پیستا ہے۔ مگر وہ جو ان کا دوست ہے ہر ایک ہلاکت کی جگہ سے ان کو بچاتا ہے اور ہر ایک میدان میں ان کو فتح بخشتا ہے۔ کیا ہی نیک طالع وہ شخص ہے جو اُس خُدا کا دامن نہ چھوڑے۔ ہم اُس پر ایمان لائے۔ ہم نے اُس کو شناخت کیا۔ تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی۔ جس نے میرے لئے زبردست نشان دکھلائے۔ جس نے مجھے اس زمانہ کے لئے مسیح موعود کرکے بھیجا۔ اس کے سوا کوئی خُدا نہیں۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا وہ سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے۔ ہم نے اپنے خدا کی آفتاب کی طرح روشن وحی پائی۔ ہم نے اسے دیکھ لیا کہ دنیا کا وہی خُدا ہے۔ اس کے سوا کوئی خُدا نہیں کیا ہی قادر اور قیوم خُدا ہے جس کو ہم نے پایا۔ کیا ہی زبردست قدرتوں کا مالک ہے جس کو ہم نے دیکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ مگر وہی جو اُس کی کتاب اور وعدہ کے برخلاف ہے۔ سو جب تم دُعا کرو تو اُن جاہل نیچریوں کی طرح نہ کرو جو اپنے ہی خیال سے ایک قانونِ قدرت بنا بیٹھے ہیں جس پر خدا کی کتاب کی مہر نہیں۔ کیونکہ وہ مردود ہیں۔ اُن کی دعائیں ہرگز قبول نہیں ہوں گی۔ وہ اندھے ہیں نہ سوجاکھے۔ وہ مردے ہیں نہ زندے۔ خُدا کے سامنے اپنا تراشیدہ قانون پیش کرتے ہیں اور اس کی بے انتہا قدرتوں کی حدبست ٹھہراتے ہیں۔ اور اس کو کمزور سمجھتے ہیں۔ سو اُن سے ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا جیسا کہ اُن کی حالت ہے۔

لیکن جب تو دُعا کے لئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے کہ یہ یقین رکھے کہ تیرا خُدا ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ تب تیری دُعا منظور ہوگی۔ اور تو خدا کی قدرت کے عجائبات دیکھے گا جو ہم نے دیکھے ہیں۔ اور ہماری گواہی رؤیت سے ہے نہ بطور قصّہ کے۔ اُس شخص کی دُعا کیونکر منظور ہو اور خود کیونکر اس کو بڑی مشکلات کے وقت جو اُس کے نزدیک قانونِ قدرت کے مخالف ہیں دُعا کرنے کا حوصلہ پڑے جو خُدا کو ہر ایک چیز پر قادر نہیں سمجھتا۔ مگر اے سعید انسان! تو ایسا مت کر۔ تیرا خُدا وہ ہے جس نے بے شمار ستاروں کو بغیر سُتون کے لٹکا دیا۔ اور جس نے زمین و آسمان کو محض عدم سے پیدا کیا۔ کیا تو اس پر بدظنی رکھتا ہے کہ وہ تیرے کام میں عاجز آجائے گا؟ بلکہ تیری ہی بدظنی تجھے محروم رکھے گی۔ ہمارے خُدا میں بے شمار عجائبات ہیں۔ مگر وہی دیکھتے ہیں جو صدق و صفا سے اس کے ہو گئے ہیں وہ غیروں پر جو اس کی قدرتوں پر یقین نہیں رکھتے اور اس کے صادق وفادار نہیں ہیں، وہ عجائبات ظاہر نہیں کرتا۔

کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اُس کا ایک خُدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خُدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اُس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اُس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اُس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں؟ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خُدا ہے تا لوگ سُن لیں؟ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سُننے کے لئے لوگوں کے کان کُھلیں؟

(ماخوذ از کشتیٔ نوح)

www.alahmadiyya.org

یادِ رفتگان ـــــــــ جناب چوہدری فضل داد صاحب گجرات

# الحاج حافظ محمد حسن صاحب چیمہ آف گجرات کی وفات حسرت آیات

اے خدا بر تربت او بارشِ رحمت ببار
داخلش کن از کمالِ فضل در بیت النعیم

جماعت کے تمام حلقوں میں یہ خبر نہایت رنج و اندوہ سے سُنی گئی کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک فدائی اور مخلص بزرگ - چوہدری حافظ محمد حسن صاحب چیمہ ۲۳ اپریل ۱۹۷۶ء صبح سویرے راولپنڈی میں اپنے فرزند چوہدری پرویز احمد صاحب مینیجر بنک کے ہاں کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد بعمر ۸۰ سال اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے - انّا للہ وانّا الیہ راجعون - آپ کی میّت راولپنڈی سے گجرات لائی گئی - نماز جنازہ ۵½ بجے شام ادا کرنے کے بعد ان کو ان کے خاندانی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

حافظ صاحب مرحوم ۱۷ فروری ۱۸۹۶ء موضع کلاچور متصل جلالپور جٹاں - تحصیل و ضلع گجرات پیدا ہوئے۔

آپ جماعت گجرات کی طرف سے ہمیشہ مجلس معتمدین کے ممبر منتخب ہوتے رہے - آپ کا وجود جماعت گجرات کے لئے بالعموم اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے بالخصوص ایک بے بہا خزانہ تھا - آپ نے اپنی خدا داد ذہانت اور قرآن دانی سے کئی ایک پمفلٹ لکھ کر سلسلہ کی گرانقدر خدمت کی - ان میں دو پمفلٹوں کا ذکر کرنا بے حد ضروری ہے -

اکتوبر ۱۹۶۰ء میں آپ نے ایک پمفلٹ بعنوان "مشاہدات قلبی یا باطنی واردات" لکھا - جو ۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

علامہ اقبال نے صوبہ مدراس میں انگریزی زبان میں چند خطبات دیئے جس کا مجموعہ ایک کتاب کی شکل میں ۱۹۳۰ء میں شائع ہوگیا - بعد میں سید نیاز نیازی صاحب نے اس کا ترجمہ "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کے نام سے شائع کیا - سید نیاز نیازی کی اس تالیف پر "طلوعِ اسلام" مارچ ۱۹۵۹ء میں تبصرہ شائع ہوا - اس تبصرہ پر حسب ذیل الفاظ میں تنقید کی گئی - آپ نے لکھا کہ اس تنقید میں ایک نکتہ ایسا ہے جس کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے -

قرآن کریم نے سمع و بصر و فواد یا قلب کو علم کا ذریعہ بتایا ۱۷/۳۶ سمع و بصر سے مراد ہے انسانی حواس، اور فواد یا قلب انسان کو عقلی اور فکری صلاحیت کا نام دیا ہے - لہذا قرآن کریم کی رُو سے حصول علم کا طریق یہ ہے - کہ انسان کے حواس اطلاعات بہم پہنچائیں اور قلب (MIND) اس سے نتائج مستنبط کرتا ہے - یہ ایک لمبا مضمون ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے - آپ نے قرآن کریم کی آیات کے حوالے دیئے ہیں - آخر پر آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کا یہ شعر لکھا ہے :-

وہ دین ہی کیا ہے جس میں خُدا سے نشاں نہ ہو
تائید حق نہ ہو - مدد آسماں نہ ہو

آپ نے مزید لکھا - کہ ہم نے قرآنی نکتہ نگاہ سے اس پر اظہارِ خیال کر دیا ہے - ہم اُمید کرتے ہیں کہ اب یہ بزرگ ضرور اس مضمون پر سیر حاصل بحث کریں گے - ہم اس مضمون کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں :-

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا ........

انت الوھاب -

دوسرا پمفلٹ جو آپ نے لکھا اس کا نام "جماعتِ اسلامی اور پاکستانی نظریہ" - یہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے -
اس کی تالیف کی وجہ یہ ہوئی :-

جماعتِ اسلامی کے ایک صالح قائد نے "چراغ راہ رسالہ کا قادیانی اقلیت نمبر" شائع کرکے فضا کو پھر مسموم کرنے کی کوشش کی -

مارچ ۱۹۵۴ء میں جبکہ مشرقی بنگال میں مُسلم لیگ کی شکست نے ایک انقلاب برپا کر دیا تھا - اس کے نتیجہ میں کچھ ایسے عناصر منظر عام پر آ گئے تھے جس کی وجہ سے وہاں کے کارخانوں میں ہنگامے - فتنے اور فسادات شروع ہو گئے - جس کی وجہ سے ایک طرف ہندوستان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی - اور دوسری طرف شورش پسند قوتیں خود پاکستان کے اندر مرکزی حکومت کو پریشان کر رہی تھیں - یہ رسالہ دعوت فتنہ انگیزی اور اشتعال بیداری ہے - آپ نے مزید لکھا، یہ ایک مایوس کُن اور حد درجہ کی تخریبی کارستانی کا قلمی شاہکار ہے اور یقیناً موجودہ حکومت کی پریشانیوں میں اضافہ ہوگا - اور ہر ذی شعور اور سنجیدہ مزاج انسان، جس کے دل میں اسلام کی محبّت اور وطن کی اُلفت ہے - کفِ دست مل کر رہ جائے گا -

آپ نے جماعتِ اسلامی کی پوزیشن گذشتہ فسادات (۱۹۵۳ء) میں جو تھی اس کو واضح کیا - آپ نے مزید لکھا کہ صدیقی صاحب کی ان عیاریوں کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیا ایک ہی قلم کی یہ ساری گلکاریاں ہیں - جو ایک ہی مضمون میں ظاہر کر دی گئی ہیں اور اس تضاد بیانی اور قلب ماہیت پر خود لکھنے والے کو کچھ احساس نہیں ہوا - نہیں نہیں لکھنے والا خوب جانتا ہے کہ مَیں کیا لکھ رہا ہوں - وہ خوب سمجھتا ہے کہ مَیں ایک جذباتی قوم سے خطاب کر رہا ہوں - جب مقصد محض اشتعال دلانا ہو - اور فسادات برپا کرنا ہو تو معقولیت کو کون دیکھے - خیال کر لیا گیا ہے - کہ کون بیٹھ کر میرے ان جواہر ریزوں کو پرکھے گا - اور سیاق و سباق کے تضادات کو گنوائیگا مجھے تو صرف حکومت کو پریشان کرنا ہے اور مُلک کی سلامتی اور امن کو خطرہ میں ڈالنا ہے - جب یہ مقصد ہو تو پھر اس طریق پر کاربند اور اس کے لئے کوشاں رہنا چاہیئے - یہ ہیں ہمارے صالح راہ نما - جو اس وقت بدقسمت مُلک کی آئندہ زمامِ حکومت سنبھالنے کا تہیّہ کئے ہوئے ہیں"۔

## پاکستان میں قادیانیوں کی تعداد

آپ نے لکھا - کہ پاکستان میں آٹھ کروڑ انسانوں کی آبادی میں بقول جماعتِ اسلامی قادیانی صرف چالیس ہزار ہیں گویا ہر دو ہزار نفوس کے مقابلہ میں قادیانی صرف ایک اور اس ایک انسان نے دو ہزار مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے - وہ اس معاشرے پر چھایا ہوا ہے - وہ اس کو مذہب سے متزلزل کر رہا ہے - ان کے خلاف بڑی بڑی ہنگامہ پرور جماعتیں - احرار، علمائے پاکستان، علمائے اسلام، پرویزی، دیوبندی، اہلِ حدیث، اہلِ تشیع، صالحین کا گروہ، پُورے جبر اور پوری قوت سے مجتمع ہوئے - جلسے کئے - لاتعداد جلوس نکالے - فسادات کئے - آتش زنی - لُوٹ مار - قتل و غارت - سب کچھ ہوا - آٹھ کروڑ انسان مشتعل ہو ہو کر اُٹھے - گِر گِر کر اُبھرے - اُبھر اُبھر کر حملہ آور ہوئے - مگر اس تحریک کا انجام بقول صدیقی صاحب یہ ہوا کہ جوشیلے طریق کار کی ناکامی کے بعد اب مسئلہ کی صحیح طریق سے حل کر سکنے کے لئے یہی ایک طاقت (یعنی اسلامی جماعت (ناقل)) باقی ہے - اور ایسا کرنے کا چانس اسی کے لئے ہے۔

یہ حسرتناک انجام اور عبرتناک خاتمہ تو یہ بتاتا ہے کہ اصلیت کچھ اور ہے اور اصل حقیقت کو چھپایا جا رہا ہے - آپ نے اس کیس کا تجزیہ کرکے صاف لکھا کہ مولانا نعیم صاحب یہ آپ کا کوئی کیس نہیں - اس میں کوئی قوت نہیں کوئی معقولیت نہیں - یہ تو محض نعرہ بازی اور غوغا آرائی ہے - اتنے لوگ

(باقی بر صفحہ کالم ۲)



ہفت روزہ پیغام صلح ـــــــ لاہور ـــــــ مؤرخہ ۲۱ اپریل ۱۹۷۶ء

# نہتے عرب عوام پر اسرائیلی مظالم اور بیت المقدس

دریائے اردن کے مغربی کنارے پر مقبوضہ علاقوں میں نہتے عرب عوام پر اسرائیلی مظالم اور بیت المقدس - حرم خلیل اور دیگر شہروں میں مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کے خلاف" ایک بار پھر مُلک بھر میں یوم احتجاج منایا گیا ہے اور یہ عہد دوہرایا گیا ہے" کہ پاکستان مکمل فتح تک عربوں کا ساتھ دیتا رہے گا" - ٹی - وی - پر ان بہیمانہ مظالم کی جو تصاویر دکھائی گئی ہیں انہیں دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور ایک سخت سے سخت دل انسان کی آنکھیں بھی اشکبار ہو جاتی ہیں - کم از کم ہم میں تو اتنی ہمّت نہ تھی کہ ایک دوسری نظر اُٹھا سکیں - اخبارات میں بھی ان انسانیت سوز حرکات کی چند ایک تصاویر آئی ہیں - ایک تصویر کو دیکھ کر ہمارا سر شرم و ندامت سے جُھک گیا - ایک نوجوان عرب طالبہ کو ایک یہودی سپاہی بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے لیکن اس عرب طالبہ کا لباس دیکھ کر کوئی باحیا انسان دوسری بار اس کی طرف دیکھنے کی ہمّت نہیں کر سکتا - اس لباس کو لباس کہنا بھی لباس کی ہتک ہے - یہ اُس قوم کی ایک بیٹی اور بہن کا لباس ہے جس کے لئے قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا تھا -

"اے بنی آدم! بے شک ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے عیبوں کو ڈھانکے اور زینت ہو اور تقوےٰ کا لباس ہی بہتر ہے - یہ اللہ کی باتوں میں سے باتیں ہیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں" (۷:۲۶)

ان نصیحت کی باتوں کو قبول نہ کرنے کا نتیجہ بھی اس سے اگلی ہی آیت میں بیان فرما دیا :-

"اے بنی آدم! تم کو شیطان دُکھ میں نہ ڈال دے - جس طرح تمہارے ماں باپ کو باغ سے نکلوا دیا - ان سے ان کا لباس اُتروا دیا تاکہ ان کو ان کے عیب دکھا دے ........ ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے" (۷:۲۷)

آج ساری اسلامی دُنیا اپنا یہ لباس اتار کر دُکھ میں مُبتلا ہوگئی ہے - اور یہ دُکھ اسی قوم کی نسل سے پہنچ رہا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں کہ :-

"ان پر ذلّت اور محتاجی ڈالی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آ گئے یہ اس لئے ہُوا کہ وہ اللہ کی باتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے اور یہ اس لئے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے" (۲:۶۱)

ان آیات کے آئینے میں مسلمان اپنا عکس خود دیکھ لیں - اس سے دو ہی نتیجے اخذ کئے جا سکتے ہیں - یا تو یہودی اپنے گناہوں سے توبہ کرکے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی تعلیم پر واپس آ گئے ہیں اور مسلمان ان کے مقابلے میں اللہ کی باتوں کا انکار کرنے والے - نافرمانی کرنے والے اور حد سے بڑھ جانے والے ہو گئے ہیں یا یہودیوں کے مقابلے میں یہ زیادہ مغضوب علیہ ہوگئے ہیں ورنہ کہاں وہ بات کہ تین سو تیرہ ایک ہزار کے مقابلے میں اور تین ہزار پندرہ ہزار کے مقابلے میں فتح پا جائیں اور کہاں یہ بات کہ ۲۶ لاکھ یہودی دس کروڑ عربوں بلکہ ساری اسلامی دنیا کو ناک چنے چبوا رہے ہیں اور یہ بے بس و مجبور قوم باوجود عددی - عسکری اور مالی برتری کے

محراب و منبر سے احتجاجی تقریروں - دُعاؤں اور جلوسوں میں نعرہ بازی پر اکتفا کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتی ہے - کیا ان کے لئے جہاد کی یہی ایک راہ رہ گئی ہے -

آخر اس جہاد کے لئے اُن کی رگِ حمیّت کیوں نہیں پھڑکتی اور خون جوش میں نہیں آتا جس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد موجود ہے :-

"اور تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کے رستے میں جنگ نہ کرو
اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے جو کہتے ہیں
اے ہمارے ربّ ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے
والے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی ولی بنا اور
اپنی جناب سے ہمارا کوئی مددگار بنا" (۴:۷۵)

فلسطین اور مقبوضہ عرب علاقوں کے مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کی یہ چیخ و پُکار آپ کے فلک شگاف نعروں کے شور و غوغا میں گُم ہو کر کیوں رہ جاتی ہے - اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے اگر اُن کے "ولی" اور "مددگار" نہیں بنیں گے تو کیا امریکہ اور رُوس ان کی مدد کو آئیں گے - یہ علمائے کرام بنوری - نورانی - انصاری - غفور احمد طفیل محمد وغیرہ جو احمدیوں کے بیرون ملک مشنوں کو بند کروانے کے لئے در بدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں فلسطین میں داخل ہوکر نعرۂ جہاد کیوں بلند نہیں کرتے - ہم جانتے ہیں یہ گفتار کے غازی ہیں کردار کے غازی نہ کبھی تھے اور نہ بن سکیں گے - ان کا جہاد یا "فساد فی سبیل اللہ" صرف کمزور اور نہتے احمدیوں تک محدود ہے - یہ ایمان - یہ جرأت - یہ طاقت اور ہمّت ان میں کہاں کہ گولیوں کی سنسناہٹ کی بھی تاب لا سکیں - سازش کرنا اور قتل ہے اور دشمن کے سامنے سینہ تان کر جانا اور بات ہے -

اپنی حالت یہ ہے اور الزام حضرت مرزا صاحب پر دھرتے ہیں کہ انہوں نے جہاد منسوخ قرار دیا بات اگر قادیانی مشن کی ہو تو چوٹ حضرت بانیٔ سلسلہ پر جا کرتے ہیں - ظفر احمد انصاری نے لندن میں ۱۹۶۷ء میں شائع ہونے والی کسی کتاب کے حوالے سے ایک پریس کانفرنس میں یہ کہا ہے کہ :-

"اسرائیل میں قادیانی مشن نہ صرف یہ کہ عربوں کے جذبۂ جہاد کو ٹھنڈا کر رہا ہے بلکہ اسرائیلی فوج میں ایک یونٹ چھ سو قادیانی جوانوں کا بھی ہے"۔

اس کا جواب تو جماعتِ ربوہ ہی دے سکتی ہے کیونکہ ہمیں اس بارہ میں کوئی مصدقہ اطلاعات موصول نہیں ہوئیں - لیکن ہمیں افسوس ہے کہ احمدیوں کے خلاف نفرت پھیلانے میں تاریخی حقائق کو کس طرح توڑ پھوڑ کر - مسخ کرکے اور اس میں صریح جھوٹ کی آمیزش کرکے لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے - اس تاریخی حقیقت پر کذب و افتراء کا پردہ ڈال کر اسے چھپایا نہیں جا سکتا کہ پہلی جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے کرنے میں خود عربوں نے لارڈ لارنس کی مدد اس وعدہ پر کی کہ ان کی ایک علیحدہ ریاست قائم کی جائے گی - اس بغاوت میں اگر انگریز مدد نہ کرتے تو یہ قطعاً کامیاب نہ ہو سکتی تھی - اگر عربوں میں جذبۂ آزادی زندہ ہوتا تو وہ ترکوں کے غلام بننے پر کبھی رضامند نہ ہوتے - پھر جب بقول "فقیر سر راہے" لارڈ جارج نے یہ کہکر کہ "معاہدے وہی قابلِ عمل ہوتے ہیں جو نوکِ قلم کی جگہ نوکِ شمشیر سے ہوں" اپنا عہد پورا نہ کیا تو عربوں نے کیوں نوکِ شمشیر سے اس معاہدے کی پابندی کرانے کی جرأت نہ کی اور اس وقت کا انتظار کرتے رہے کہ کوئی باہر سے آ کر ان میں سے جذبۂ جہاد ختم کر دے - یہ بھی بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ چند ہندوستانی تو فلسطینیوں میں سے جذبۂ جہاد ختم کرانے میں کامیاب ہو گئے اور خود مفتیٔ فلسطین - عرب علماء اور ان کے دوسرے اسلامی ممالک کے رفقاء اس جذبہ کو زندہ رکھنے میں ناکام ہوگئے

دانائے دجّال مغرب میں اور مغربوں پر اُترا اور اس میں حکم ویسے کا ویسا موجود ہے انصاری صاحب کو اس راز پر سے کبھی پردہ اٹھانا چاہیئے اور صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے تو اُسے بھولا ہُوا نہیں کہنا چاہیئے۔ ہمت کریں اور پانچ دس ساتھیوں سمیت سر بکف اسرائیل میں پہنچکر اس جذبہ کو پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کریں۔ یہ کہہ دینا کہ وہاں اسرائیل کی فوج میں چھ سو قادیانی موجود ہیں وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس کے جواب میں قادیانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگوں میں بھارتی مسلمان فوجیوں نے بھی پاکستان کے خلاف حصّہ لیا ہے۔ وہاں پھر بھی شک کی گنجائش ہے لیکن یہاں تو امر واقع ہے۔ یہاں انصاری صاحب اس لئے خاموش ہو جاتے ہیں کہ بھارتی مسلمان ان کے ہم وطن ہیں اور انہی کا مقصد پورا کر رہے ہیں۔

انصاری صاحب کے اس انکشاف پر "فقیر سر راہے" حضرت مرزا صاحب کی ایک نظم میں سے جھٹ ایک غلط مصرع یہ تاثر دینے کے لئے لکھ مارا ہے کہ انہوں نے ہر قسم کا جہاد منسوخ کر دیا ہے۔ یہ صحافتی بد دیانتی اور بدنیتی ہے۔ وہ مصرع یہ ہے ؎

دیں کے لئے جہاد ہے اب دوستو حرام

یہ نظم ۱۹۰۲ء میں طبع ہوئی اور اس کا پہلا شعر جس کے مصرع کو توڑ پھوڑ کر لکھا گیا ہے یہ ہے :۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

یعنی جہاد کو چھوڑنے کی تلقین کی ہے اس کی تشریح دوسرے مصرع میں "جنگ و قتال" کہہ کر کر دی ہے اور وہ بھی اس لئے کہ دین میں کسی کو بزور شمشیر داخل کرنا خلافِ قرآن و حدیث ہے۔ اسی نظم میں آپ آگے چل کر فرماتے ہیں:—

فرما چکا ہے سیّد کونین مصطفٰے
عیسٰی مسیح جنگوں کا کر دیگا التواء

اور یہ اُن احادیث کی طرف اشارہ ہے۔ جن میں یضع الحرب اوزارھا اور تضع الحرب اوزارھا کے الفاظ آئے ہیں جن کا مطلب اوزاروں سے لڑائی بند ہو جانا ہے اور یہ امام مہدی اور مسیح موعود کے زمانہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

اس شعر میں "التواء" کا لفظ قابلِ غور ہے۔ اگر التواء کا مطلب اور مفہوم خود ساختہ علماء کے نزدیک تنسیخ جہاد ہے تو ان کی عقلوں کا ماتم ہی کرنا ہوگا۔

اس التواءِ جہاد کی وجوہات بھی حضرت مرزا صاحب نے اسی نظم کے چند اشعار میں بیان فرمائی ہیں :—

اب تم میں خود وہ قوّت و طاقت نہیں رہی + وہ سلطنت۔ وہ رعب۔ وہ شوکت نہیں رہی
سب پر یہ اک بلا ہے کہ وحدت نہیں رہی + اک پھوٹ پڑ رہی ہے مودت نہیں رہی

اب زندگی تمہاری تو سب فاسقانہ ہے
مومن نہیں ہو تم کہ قدم کافرانہ ہے

باوجود اس کے اگر مسلمان ہتھیار اٹھانے کی کوشش کریں گے تو نتیجہ کیا ہوگا۔

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا

اب ۱۹۰۲ء سے اس وقت تک کے حالات عالم پر نظر دوڑا کر ذرا ہم کو اونچی کر کے بتائیں وہ کونسی جنگ ہے جس میں مسلمان شریک ہوئے ہوں اور انہوں نے وہ جیتی ہو۔ اور ہزیمت نہ اٹھائی ہو۔

ترکوں کی شجاعت اور بہادری کے کارنامے تاریخ عالم کے اوراق میں جلی حروف میں ثبت ہیں۔ لیکن ایک ترک عالم ڈاکٹر عصمت بازدے نے سیرت کانفرنس میں اپنے مقالے میں فرمایا :—

"مسلمان اب افکار کے جہاد کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ اب اسلام کی تلوار نیام میں چلی گئی ہے اور افکار کی سنہری تلوار بے نیام ہو گئی ہے"

اسلام حرم ہوئی بھی ہی افکار کی جنگ کا ذکر بار بار اپنے خطبات میں کر گئے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے تو فرمایا تھا کہ "جہاد کی شرائط اس ملک (یعنی اس دَور کے ہندوستان میں) اور اس زمانہ میں معدوم ہیں۔ باقی مسلمان ممالک کے لئے آپ کا یہ فتویٰ نہیں تھا تو کیوں باقی دنیا کے مسلمانوں نے تلوار کے ذریعے یہودیوں۔ عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی جد و جہد نہ کی۔ اور ہندوستان کے علماء کو کیوں سانپ سونگھ گیا۔ کہ انہوں نے یہاں عیسائیوں۔ ہندوؤں اور سکھوں کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے تلوار نہ اٹھائی۔ اس کے برعکس خود عیسائیت کی گود میں چلے گئے۔

واقعات عالم سے اس چشم پوشی پر ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے سینوں میں بے جا دشمنی۔ عداوت۔ نفرت۔ حسد اور بغض کی ایک خطرناک آگ بھڑک رہی ہے اور اس جہنم میں آپ جل رہے ہیں مگر خدا کے فضل سے اس کی معمولی آنچ تک ہمارے قریب سے بھی نہیں گذرتی۔

الحمد للہ علیٰ ذالک ؛

# اخبارِ احمدیہ

**سانحۂ ارتحال** } جہلم سے یہ افسوسناک اطلاع ملی ہے۔ کہ مولوی عبد الحکیم صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر (مبلغ انجمن) مؤرخہ ۷ اپریل کو وفات پا گئے ہیں۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق دے۔ احباب جماعت سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

**درخواستِ دُعا** } مکرم و معظم مرزا غلام ربانی صاحب (مغل پرنٹنگ پریس نواب شاہ سندھ) بوجہ پیرانہ سالی احبابِ جماعت سے دُعا کے ملتجی ہیں، دوست ان کے لئے خلوصِ دل سے دُعا فرمائیں۔ مرزا صاحب مکرم کا وجود جماعت کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو صحت اور توانائی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے۔ آمین

**درخواست دُعائے صحت** } مکرم جناب مولانا دوست محمدؐ صاحب سابق ایڈیٹر پیغامِ صلح) کو آج سے چند روز پہلے راستہ عبور کرتے وقت گر پڑنے کے باعث بازو پر شدید چوٹ آ گئی تھی۔ الحمد للہ اب افاقہ ہے۔ تاہم احباب جماعت کی دعاؤں کی ابھی شدید ضرورت ہے۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بزرگ اپنی نیم شبی دعاؤں میں مولانا صاحب موصوف کو یاد رکھیں۔

# اپیل

## مرکزی مسجد احمدیہ - احمدیہ بلڈنگس

لاہور کے لئے ۸ عدد (56" سائز) سیلنگ فینز کی اپیل کی گئی تھی۔ اس اپیل کے جواب میں محترم محمد حسن خاں صاحب نے دو عدد پنکھوں اور محترم ڈاکٹر غلام مجتبےٰ صاحب آف کراچی نے ایک عدد پنکھے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر دے۔

مزید ۵ پنکھوں کیلئے مخیر اور صاحب ثروت احباب کی توجہ کی ضرورت ہے گرمی شروع ہو چکی ہے۔ دوست اس کارِ خیر میں جلد از جلد حصّہ لیکر ثواب دارین حاصل کریں۔



# مملکتِ پاکستان کیونکر وجود میں آئی

اور

# اور اس کا حقیقی قیام کونسی قومی تبدیلی کا طالب ہے

(قسط نمبر ۲)

**اسلام بیداری کی کروٹیں لے رہا ہے** } کیا ہی عجیب نظارہ ہے۔ آج سے نصف صدی قبل اسلامی سلطنتیں مٹتی چلی جا رہی تھیں، اور یا اب نئی حکومتیں وجود میں آنے لگی ہیں۔ آج سے پچاس برس قبل قرآن کریم کی تعلیم کو مسلمان نہ صرف بھلا چکے تھے بلکہ اُن میں سے تعلیم یافتہ ترقی پسند طبقہ اسے موجودہ زمانہ کے لئے ناکافی یا نامناسب یقین کرتا تھا مگر اب یہ وقت ہے کہ بیقرار ہے کہ کب اور کس وقت قرآنی تعلیم کو حکومتِ وقت رائج کرتی ہے حکومت بھی اس زبردست دباؤ سے بے خبر نہیں اور وہ مجبور ہے کہ جلد یا بدیر اس طرف قدم اٹھائے، یا تو آج سے نصف صدی قبل وہ وقت تھا کہ مسلمان اسلام کے دین کو ترک کر رہے تھے نہ کسی مجبوری و معذوری کے تحت بلکہ محض اس لئے کہ اُصولِ حقّہ سے بے خبر تھے اور یا آج یہ انقلاب رونما ہو چکا ہے کہ ساری قوم کو تباہی و بربادی منظور ہے حتّٰی کہ جان دینا بھی گوارا ہے، لیکن ایمان سے انکار نہیں۔ یا تو وہ وقت تھا کہ مغربی نظریئے و اُصول مادیت جاذبِ نظر بن چکے تھے اور ان کی کشش دلوں میں اُترتی چلی جا رہی تھی اور یا اب یہ وقت آ پہنچا ہے کہ مادیت کا سُنہری بُت خدا تعالےٰ کے زبردست حملوں سے پاش پاش ہو چکا ہے اور ہر زبان پر یہ کلمہ جاری ہے کہ مادہ پرستی اور سائنس نے عالم کے امن و عافیت کو تباہ و برباد کردیا ہے، کہاں وہ مغربی وطنیت اور قومیت پرستی کے نظریئے کہ جن سے عالمگیر اسلامی اخوت پاش پاش ہو رہی تھی اور کہاں اب یہ بدلا ہُوا رُخ کہ اسلامی حکومتیں باہم دینی اخوت کے رشتہ میں منسلک ہونے کو تیار ہیں۔ کیا آپ کو یہ صریح تغیر دکھلائی نہیں دیتا؟ کیا اب بھی اس میں کوئی شک ہے کہ اسلام اپنی نیند سے بیداری کی کروٹیں لے رہا ہے اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کا دَور ہم پر وارد ہو چکا ہے

؎ سُنتا ہے میں نے یہ قدوسیوں سے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

یہ سب انقلاب کس چیز کے بدلے وقوع میں آ رہا ہے۔ اس بڑھتے ہوئے ایمان کے صدقے کہ اُصول اسلام سچے و راست ہیں اس صادق یقین کے نتیجہ میں کہ فرقانی تعلیم واقعی فلاح و نجات کا ذریعہ ہے اور نہ صرف یہ کہ وہ ہر زمانہ و ہر مُلک کی ضروریات کے لئے مکتفی ہے بلکہ یہ کہ جس قدر اس کی ضرورت دنیا کو آج اس کی نجات کے واسطے لاحق ہوئی ہے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ عدل و انصاف اس کے بغیر قائم نہیں ہو سکتے ظلم و تعدی سے رہائی نہیں ہو سکتی، امن و صلح کی بنیادیں استوار نہیں کی جا سکتیں جب تک اس تعلیم کی مقبولیت نہ ہو۔ یہ ہے وہ یقین و ایمان جو مسلمان دلوں میں گھر کرتا چلا جا رہا ہے۔ وہ ایمان جو دل کی گہرائیوں سے شروع ہوتا ہے وہ یقین جو ابتداء میں عوام کے لئے نتیجہ خیز دکھلائی نہیں دیتا، وہ عرفان جس کے اثر سے دنیاوی آنکھ بے خبر ہوتی ہے آج مادی دنیا میں انقلاب انگیزیاں کر رہا ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں کیا خوب کہا ہے :

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ولایت، پادشاہی، علمِ اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں، فقط ایک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

یہ ثریا پر گیا ہوا ایمان جس کی بدولت اسلامی دنیا میں انقلاب رُونما ہو رہا ہے کس وجود کی برکت سے آج کے زمانہ میں مسلم قلوب میں گھر کرنا شروع ہوا؟ شاعر، فلسفی، لیڈر، ادیب ان میں سے کبھی کوئی بھی یقیناً ایمان پیدا نہیں کر سکے۔ ان کی غرض و غایت یہ ہوا کرتی ہے نہ انہیں خود اس دولت کا پتہ ہوتا ہے بلکہ یہ سب لوگ تو خود اس کے محتاج ہوا کرتے ہیں۔ مسلمانو! کیوں تم تدبّر نہیں کرتے کہ یہ تمہاری بیداری کا دَور جو محض ایمان کے دوبارہ قائم ہو جانے کے باعث ہے کس صاحبِ بصیرت و عرفان کے نزول کا پتہ دے رہا ہے!

**صداقتِ اُصولِ حقّہ پر یقین** } بہت سے لوگ یہ بھی اعتراض کرنے کے عادی ہیں کہ جب تک کوئی لیڈر مسلمانوں کو حکومت و سلطنت نہ دلائے تب تک اس کی طرف کوئی انقلاب منسوب کرنا بے معنیٰ ہے۔ اگر وہ غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان قوم کا شیرازہ دیگر اقوام سے بکلّی مختلف ہے۔ جہاں دیگر اقوام کی بناء اُن کا وطنی یا نسلی اشتراک ہے وہاں مسلم قوم کی وحدت کی بناء اس امر پر منحصر ہے کہ ان کے قلوب صداقتِ اصولِ حقّہ سے کس قدر لبریز ہیں۔ جس قدر قلوب میں یہ یقین زیادہ ہوگا اسی قدر ان کا باہمی رشتۂ اخوت مضبوط و مربوط ہوگا اور جتنا ان کا ایمان اصولِ اسلام و تعلیم قرآن پر کم ہوگا اسی نسبت سے ان میں باہمی یگانگت و اتحاد کمزور رہے گا۔ مسلم قوم کے شیرازہ کی بنیادیں اور اس قومیت کے اتحاد کی مضبوطی یا کمزوری کا دار و مدار قرآنی تعلیم پر درجہ یقین سے وابستہ ہے۔ جبکہ اور کوئی منسلک کرنے والی شئے ہے ہی نہیں تو انہی صداقت کے اُصولوں پر ایمان اور اس کی مضبوطی پر قومیت کی بنیادیں استوار ہیں۔ پس جو شخص قرآنی صداقت کو قلوب میں گاڑنے کا موجب ہوگا وہی حقیقتاً مسلم قومیت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے والا ہوگا۔ اب جائے غور ہے کہ چودھویں صدی میں کس خادمِ اسلام نے صداقتِ اسلام پر تمام دنیا کو للکارا اور کس نے ببانگِ دُہل قرآنی تعلیم کی افضلیت پر غیروں کو چیلنج پر چیلنج دیئے جس سے نہ صرف اپنوں کے پست حوصلے بلند ہو گئے بلکہ قلوب میں صداقت گھر کر گئی اور اس طرح باہمی قومیت کی رسّی مضبوط ہو گئی۔ ؎

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند + ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

کسی مُلک کے لوگوں کا یہ دعوےٰ کہ ہم سب مسلمان ہونے کے باعث دوسروں سے علیحدہ حیثیت و قومیت رکھتے ہیں اور اس دعوےٰ پر غیروں کے مقابل متحدہ قیام و ثبات ایمان کا ایک دعوےٰ ہے جس کی بناء پر خدا تعالےٰ کی یہ معجزانہ عطا ہے کہ ایک سب سے بڑی اسلامی مملکت کا وجود عالم شہود میں آ گیا۔ پاکستان کا وجود میں آ جانا ایک شئے ہے لیکن اس کا مضبوط طور پر قائم و دائم ہو جانا اور صحیح و سچے معنوں میں اسلامی سلطنت بن جانا ایک دیگر امر ہے جہاں خدا تعالےٰ کی اس نعمت و برکت پر ہمیں سجداتِ شکر بجا لانے کا موقعہ ہے وہاں اس سے زیادہ توجہ اس امر کی طرف دینی ضروری ہے کہ یہ ایمان کا دعوےٰ کیونکر سچا ثابت کر دکھلایا جائے کیونکہ سچائی کے بغیر ثبات و قیام ممکن نہیں۔ جہاں قرآن کریم نے یہ ارشاد فرمایا ہے تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء ...... وتعز من تشاء وتذل من تشاء یعنی سلطنت کی عطا ایک ربّی عزّت ہے وہاں قرآن نے خلافت کی یہ شرائط بھی بیان فرمائی ہیں وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض ہمارا وعدہ خلافت کا ان لوگوں سے متحقق ہوا کرتا ہے جن میں صفاتِ ایمان اور عملِ صالح موجود ہوں۔ اور دوسری جگہ اسی مضمون کو ان الفاظ طیبہ میں

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ ہم نے زبور میں یہ ذکر کر دیا ہے کہ زمین کی وراثت صالح بندوں کی ملکیت ہوگی۔ قابلیت وصلاحیت کسی فرائض عہدہ کو نبھانے کے لئے ضروری و لازم قرآنی شرائط ہیں۔ جو کتاب خود یہ حکم دیتی ہو ان تؤدوا الامانۃ الی اھلھا کہ امانتوں و فرائض کو ایسے لوگوں کے سپرد کرو جو اُن کے ادا کرنے کے واقعی اہل و قابل ہوں تو کیا ایسی کتاب کے نزدیک سلطنت و حکومت کبھی ایسے ہاتھوں میں رہ سکنی ممکن ہے جو اس کے اہل نہ ہوں اور جو ایسی بھاری خدائی امانت کو دیانت سے ادا نہ کر سکتے ہوں۔ کسی فرد یا قوم کی قابلیت کا اصل پتہ اس وقت لگتا ہے جب اس پر زیادہ ذمہ داری کا بوجھ ڈالا جائے۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو مسلمان اس سے قبل حکومت کی رٹ لگا رہے تھے وہ بھی آج حکومت مل جانے پر معترف ہیں کہ ہماری قوم میں ابھی تک وہ صلاحیت موجود نہیں جس سے یہ قوم سلطنت سنبھالنے کی اہل کہلا سکے۔ کثرت ایسے اصحاب کی تھی جو اس اصول کے متفق نہ ہوتے تھے کہ پہلے کسی قوم میں وہ صفات موجود ہونی چاہئیں جو سلطنت چلانے کے لئے ضروری ہیں اور پھر ایسی قوم کو حکومت عطا ہونی چاہئے۔ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ پہلے حکومت مل جائے تو پھر اس کے بعد اعلیٰ صفات کا پیدا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن آج واقعات سے اس اصول کی صداقت بھی روزِ روشن کی مانند ظاہر ہو گئی ہے کہ اصل اور مشکل چیز تو صلاحیت کا پیدا کرنا ہے نہ کہ حکومت لے لینا، اگر حکومت حاصل ہو بھی جائے تو بھی اس کی وجہ سے لازماً صلاحیت کا پیدا ہو جانا ضروری نہیں ہوا کرتا بلکہ اکثر دفعہ تو حکومت و سلطنت پیدا شدہ اوصاف کو گنوا دینے کا براہِ راست موجب بن جایا کرتی ہے۔

## پاکستان میں مساوات و اخوت کا عملی رنگ

کہاں اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں کہ مسلمان قوم نے اپنے ایمان کے بدلے ہر شئے قربان کر دی مگر کفر پر اسلام کو ترجیح دی ولیکن تصویر کا دوسرا رُخ بھی موجود ہے کہ زندگی کے عملی میدان میں اور عملوا الصلحٰت کا نمونہ پیش کرنے سے من حیث القوم وہ عاجز رہی ہے جن اصحاب نے محض اپنے ایمان کو سلامت رکھنے کے لئے ہند سے ہجرت کر کے پاکستان میں پناہ لی ان کے ساتھ مجموعی طور پر یہاں کے باشندوں نے کیسا سلوک کیا؟ مساوات و اخوت کے اسلامی نمونے کہاں تک دکھلائے گئے؟ ہمدردی اور ایثار سے قطع نظر اگر صرف عدل و انصاف کو ہی برقرار رکھا جاتا تو غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی املاک و اموال کا صحیح حقدار کون تھا؟ اس کو ہی دیکھا جاتا تو آج یقیناً قوم کی حالت کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ یہاں انفرادی حالت کا سوال نہیں کیونکہ افراد میں سے بہتوں نے اپنی ہمت و استطاعت سے بڑھ کر خدمت ادا کی بلکہ یہاں قوم کی مجموعی حالت اور کثرت کا ذکر ہے بعض واقعات تو ایسے بھی ہوئے کہ وہ لوگ جو ہندوستان سے اپنے اموال و عزت لُٹا کر پاکستان میں سر چھپانے آئے ان کے مالوں اور عزتوں پر یہاں بھی ڈاکہ ڈالا گیا۔ حکومت کی طرف سے جو اخراجات مہاجرین کی امداد کے لئے منظور کئے گئے انہیں ذاتی تصرف سے خورد برد کیا گیا۔ اور اس وقت جبکہ اپنی حکومت قائم ہو چکی ہے اپنے گھر کا کیا نقشہ ہے؟ کیا کافر اور غیر کی حکومت کی مشینری سے زیادہ تندی زیادہ مستعدی اور قابلیت سے ہماری اپنی حکومت اپنے کاموں کو سر انجام دے رہی ہے؟ کیا بے ایمانی، رشوت ستانی، چور بازاری شراب خوری، تعیش پسندی، غرباء و محتاجوں کی حالت سے قطعی بے پرواہی پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے یا کم؟ بعض لوگ کہتے ہیں ابھی ابتداء ہے مشکلات درپیش ہیں آہستہ آہستہ حکومت اور قوانین اسلامی کے نفاذ سے سب کچھ درست ہو جائیگا اگر قوم میں مجموعی طور پر یہ زبردست خواہش موجود ہے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں اسلامی اخلاق و احکام کو رائج کرے تب تو یہ امید کی جا سکتی ہے کہ حکومت کی امداد کا ہاتھ کچھ کام کر سکے گا لیکن اگر قوم میں سے اپنی عملی زندگی کو تبدیل کرنے کی خواہش مٹ چکی ہے تو حکومت اور اس کے قوانین کیا کر سکیں گے، حکومت کے افراد کہاں سے آتے ہیں؟ قوم کا جزو ہی ہوتے ہیں اور اگر قوم کی کثرت نا اہل و قومی کردار سے نابلد ہے تو حکومت کہاں سے اہل و قابل بن جائے گی؟ حکومت تو قوم کے اخلاق و کردار کی آئینہ دار ہوتی ہے جب تک خود قوم میں تبدیلی و اصلاح کی تڑپ پیدا نہ ہوگی حکومت اور اس کے قوانین بے کار محض ہیں آج یہ صداقت ہر کس و ناکس پر منکشف ہو رہی ہے بلکہ بعض لوگ تو مایوس ہو رہے ہیں کہ قوم کی موجودہ حالت واقعی زبوں حالی کی ہے لیکن ایسا کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے عام طور پر قوم میں اپنی کمزوریوں کا احساس پیدا ہو چکا ہے اور وہ اپنی اصلاح و تبدیلی کی خواہاں ہے مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ صلاحیت مقدم و لازم شئے ہے اور اس کی عدم موجودگی میں حکومت بھی بے کار و بے بس ہے۔

## سچے اور کامل ایمان کا لابدی نتیجہ اور عملی اصلاح کی ضرورت

آج کون دل یہ محسوس نہیں کرتا کہ کاش ہماری قوم اصلاح یافتہ ہوتی تو ہمیں کوئی خوف و خطر نہ تھا۔ کاش ہماری قوم اعلیٰ سیرت اور عمدہ اخلاق کردار کے مضبوط اور ناقابلِ تسخیر ہتھیاروں سے مسلح ہوتی تو ہمیں غداروں اور خود غرضوں سے سامنا ہوتا نہ بیرونی دشمن سے مقابلہ کی تشویش۔ جو قوم اپنے عزم راسخ پر قائم، باہم متحد و منظم، ایثار و بے نفسی کا مجسمہ ہو، عدل و انصاف، ہمدردی و خیر خواہی بنی نوع انسان کی علمبردار ہو اسے کونسی طاقت دنیا سے نیست و نابود کر سکتی ہے، اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو وہ ظالم قوت کب تک رہ سکتی ہے۔ کیا یہی قرآن کریم کی تعلیم کا بھولا ہوا سبق نہ تھا جو مسلمان قوم کو ان کے ایک حقیقی مصلح و خیر خواہ نے آج سے نصف صدی قبل یاد دلایا؟ کیا اس کا یہی پکار نہ تھی کہ تمہیں غیر اقوام کی آزادی سے قبل اپنے نفسوں کی حکومت سے آزادی حاصل کرنا ضروری ہے؟ کیا اس کی مسیحائی تعلیم کا لب لباب یہی نہ تھا کہ تم شیطان کی حکومت سے اپنے نفسوں کو چھڑا لو۔ قبل اس کے کہ تم الٰہی حکومت کو دنیا پر قائم کر سکنے کے قابل ہو؟ اس وقت تم نے اس بات کو در خور اعتناء نہ سمجھا لیکن آج واقعات نے تمہیں یقین دلا دیا ہے کہ اسلامی سیرت و کردار سے اپنے آپ کو مزین کرنا اور اپنے باطن پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کر لینا ہی وہ اوّلین اصلاح ہے جس کے بغیر دُنیا کا تخت و تاج حاصل کر لینا اور قوانین و قواعد پر قبضہ پا لینا بے سود و بے کار ہے۔ ابھی عالم میں اس وقت ہر طرف امن و امان کا دَور دَورہ قائم تھا کہ اس نے جگانے کی کوشش کی کہ دیکھو دُنیا پرستی سے قلوب کا امن کھویا جا چکا ہے اور یہ باطنی فساد و بے امنی اپنا رنگ بیرونی دنیا میں لانے کو ہے، خبردار ہو جاؤ! ہوس حرص کی جو آگ دلوں میں بھڑکائی جا چکی ہے قریب ہے کہ وہ مادی شکل میں منتقل ہو کر تمہیں بھسم کر دے ظاہریت پر قناعت نہ کرو۔ دنیا کی دلفریبی و کشش سے مرعوب نہ ہو جاؤ۔ اپنے باطن اور نفس کی جانب دھیان کرو کہ اگر اس میں پاکیزگی، خیر خواہی و امن و عافیت موجود نہیں تو ظاہرا قوانین اور مادی نظام اسے کیونکر نجات دلا سکتے ہیں؟ یہ تمام باتیں اس نے تمہیں بتلائیں دُنیا کو عام طور پر اور مُسلمان قوم کو خاص کر اس نے بیدار کرنے کی کوشش کی۔

تم تو ہو آرام میں پر اپنا قصّہ کیا کہیں
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے سخت گھبرانے کے دن

اس وقت ان باتوں کو شاید کسی مجذوب کی بڑ یا کسی خود غرض کی دھمکی خیال کیا گیا لیکن آج وہی امور ہمارے سامنے حقیقت کا جامہ پہن کر آ کھڑے ہیں۔

جیسے کہ اُوپر واقعات کی شہادتِ حقّہ سے عرض کیا جا چکا ہے مسلمان قوم نے اس مُلک میں اپنے ایمان کو دوبارہ قائم کرنے کی طرف جب توجّہ کی اور اُصولِ حقّہ کو تسلیم کر کے اُن پر ثبات و قیام دکھلایا تو اس کے لازم نتیجہ میں خدا تعالےٰ نے انہیں ایک نئی حکومت عطا کی لیکن انہوں نے عمل کے میدان کی طرف کوئی توجّہ نہ دی اور آج وہ اس کی سخت ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔



پاکستان کے قیام سے جس ایک امر کو مسلمان قوم نے بشدّت محسوس کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہماری قوم کی نجات اور ہماری حکومت کا بقاء متقاضی ہے کہ ایک اصلاح یافتہ جماعت مسلمانوں میں سے کھڑی ہو جو نہ صرف اپنے وعظ و تلقین سے اور اپنے خوبصورت علم کلام سے بلکہ اپنے عمل سے اور زندگی کی روزمرہ اُفتاد سے عوام میں تبدیلی و اصلاح پیدا کرنے والی ہو۔ عمل کی اصلاح عمل سے ہی ممکن ہے، باتوں سے ممکن نہیں اور ساری قوم کی سچّی تبدیلی کے لئے ایک متحدہ و متفقہ جماعتی نظام کی حاجت درپیش ہے جن کی نہ صرف انفرادی زندگیاں اسلام کے باطنی و روحانی نظام کی آئینہ دار ہوں بلکہ جن کا اجتماعی اقدام اور باھمی برتاؤ و سلوک بھی خُدا پرستی کے اُصولوں کے مطابق ہو جن میں باہمی اسلامی اخوّت و مساوات کا رنگ دکھلائی دے اور جو آپس میں محبّت و ہمدردی اور حسن ظنّی و ایثار میں قابلِ رشک نمونہ پیش کر رہے ہوں۔ اگر یہ سچ ہے کہ مسلمان قوم کی موجودہ اخلاقی حالت اور کردار و سیرت تبدیلی و اصلاح کی محتاج ہے جس تغیّر میں ہی نہ صرف اسلام کے مذہب کا احیاء و اشاعت بلکہ خود اپنی قوم کا سنورنا اور حکومت کا استحکام مضمر ہے تو یہ بات بھی اسی قدر سچّی ہے کہ یہ اعلیٰ و ارفع مقصد صرف ایک اصلاح یافتہ جماعت کے قیام اور اس کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ پر ہی منحصر ہے اور دوسری کس طرح سے یہ ممکن العمل نہیں۔

اخلاقِ عالیہ پر قائم ایک جماعتی نظام اور اندرونی پاکیزگی و طہارت و صفات باطنی کا ایک مرکز ہی مسلمان قوم کی موجودہ مصائب کے لئے تریاق کا حکم رکھتا ہے، جو اُن کے رُوحانی احیاء و اخلاقی ترقّی کے لئے از بس ضروری و لازم پڑا ہے بجز اس کے ممکن نہیں اور مسلمان قوم کی اخلاقی تبدیلی کے باعث ہی اصول اسلام کا غیروں کی دنیا میں بول بالا جلد از جلد وقوع میں آ جانا ممکن ہے۔

ہم اپنا فرض اے دوستو اب کر چکے ادا
اَب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا خُدا

## اخلاقی میدان میں قومی تعلیم و تربیّت کا اعلیٰ مقصد۔

جیسے کہ اُوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ زندہ عملی نمونوں سے کسی قوم میں عملی اصلاح اور اخلاقی تربیّت پیدا ہوا کرتی ہے اور یہی وہ غرض ہے جس کے لئے یہ ضروری ہوا کرتا ہے کہ خُدا تعالےٰ کے ہاتھ سے پاک شدہ کامل لوگ اس اُمّت میں اصلاح کے لئے مبعوث ہوا کرتے ہیں ورنہ تعلیم کا کمال تو فرقان مجید پر ختم ہو چکا ہے۔ پھر ایسے کامل اور بلند مرتبت اشخاص کے اُٹھ جانے کے بعد ان کی جماعت من حیث القوم ان کی وارث ہُوا کرتی ہے۔ جہاں مجدّدین کی اپنی ذاتی و انفرادی زندگیاں مذہب اسلام کی صداقت پر ایک دلیل و برہان ہوا کرتی ہیں وہاں ان کے بعد ان کی جماعتیں اپنی مجموعی حیثیّت سے اسلامی نظامِ حیات کے نقشہ کو اپنی جماعتی زندگی میں پیش کیا کرتی ہیں۔ اور ان تمام اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ محمودہ کی حامل ہوا کرتی ہیں جن کا دنیا میں پیدا کر دکھلانا ہی ساری تبلیغ و اشاعت کی غرض و غایت ہوا کرتا ہے اور جس کے فقدان سے ہی دنیا میں فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے۔ یہ ایسی ہی بلند پایہ جماعت کے اخلاق حسنہ اور نظام اسلامیہ کا اثر ہُوا کرتا ہے۔ کہ پھر اس سے ساری قوم متاثر ہوتی ہے۔ کسی شخص کے گرتے ہوئے ایمان کو دوسرے شخص کا مضبوط ایمان یا دلائل و براہین قائم کرنے کا موجب تو بن سکتے ہیں مگر کسی کی زندگی کو عملوا الصلحٰت کا مصداق بنانے کے لئے ایک عمل صالح پر قائم گروہ کا وجود لازم و ضروری پڑا ہے۔ ایمان سے ایمان اور عمل سے عمل پیدا ہوتا ہے اور قومی کردار میں تبدیلی و اصلاح کے لئے ایک تبدیل شدہ جماعتی نظام کی ضرورت از بس لابدی ہے۔ جب تک مسلم قوم کی اخلاقی تربیت کا سامان ایک بلند پایہ جماعتی نظامِ مرکزی اخلاقی طاقت سے نہ کیا جائے گا تب تک پاکستان کا قیام حقیقی معنوں میں وجود میں نہ آئے گا۔ اور نہ ہی غیروں میں اشاعت و تبلیغ اسلام کی تحریک کسی تیز رفتاری سے اور سرعت سے جاری کی جا سکے گی۔ پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنا قوم کی اخلاقی و دینی تعلیم و تربیّت کے لئے کسی مرکزی نظامِ جماعتی وجود کو تلاش کریں کیونکہ یہی وہ ایک شئے ہے جس سے ان کی سچّی قومی زندگی اور حکومت الٰہیہ کا قیام وابستہ ہے۔

از عمل ثابت کُن آں نُورے کہ در ایمانِ تُست
دل چو دادی یُوسفے را راہِ کنعاں را گزیں

## یادِ رفتگاں ـــــ بسلسلہ ص۲

تو ایک گاؤں میں بسائے جا سکتے ہیں۔ ان سے فضا میں کوئی تموج پیدا نہیں ہو سکتا۔ (یہ پمفلٹ بڑا ہی ضروری ہے اس کو دوبارہ شائع کر کے لوگوں میں تقسیم کیا جانا چاہیئے)

## اہلِ علم اور باشعور طبقہ سے آپ نے اپیل بھی کی کہ :ـــ

"اس قسم کے سپیشل نمبر نکال کر اسلامی جماعت کے راہ نما کچھ اچھے تدبّر کا ثبوت نہیں دے رہے۔ اور نہ ہی دوسروں پر لعن طعن کرتے رہنا کوئی عقلمندی ہے۔ اس سلسلہ میں جو صاحبان ملّت کی سالمیّت اور استحکام پاکستان کے پیشِ نظر اس موضوع پر قرآن کریم اور سنّتِ نبویؐ و کلمہ طیّبہ کا احترام کر سکیں گے۔ اپنے قلم کو جنبش دیں گے ہم انشاءاللہ اُن کے رشحاتِ قلم کو طبع کرا کر ملک میں شائع کرا دیں گے۔"

آخر میں آپ نے لکھا کہ :ـــ

"ہماری دعوتِ اسلام کے تمام فرقوں، جماعتوں، اداروں اور انجمنوں کے لئے صدائے عام کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ہم توقع رکھیں گے۔ کہ تکفیر کے مہلک مرض کے لئے ایک تریاق تیار ہوگا۔ جو ملّت کے جسم کی ایسی تطہیر کر دے گا۔ کہ آیندہ کے لئے وہ مکمل طور پر صحت مند ہو جائے گا۔"

آپ فوجداری مقدمات لیتے۔ ہر قتل کے کیس میں ایک طرف آپ ہوتے۔ آپ کی ذہانت۔ معاملہ فہمی تمام وکلا میں مسلّم تھی۔ آپ نے غالباً ۱۹۶۸ء میں مقدمات لینے بند کر دیئے۔

کثرتِ کار کی وجہ سے آپ کی صحت خراب رہنے لگی تھی۔ مزید برآں ۱۹۶۷ء میں آپکو اپنے ایک لائق ترین فرزند جناب چوہدری ضیاءالحسن صاحب چیمہ کی وفات کا صدمہ سہنا پڑا۔ جس سے آپکی صحت مزید کمزور ہو گئی اور دن بدن گرتی ہی چلی گئی۔

آپ گاہے گاہے اپنے فرزندِ اکبر ڈاکٹر خالد صاحب کے ہاں راولپنڈی میں چلے جاتے۔ مگر جب چوہدری محمد احمد صاحب پرویز کی تعیناتی بنک مینجر کے عہدہ پر راولپنڈی میں ہوئی تو آپ گجرات سے راولپنڈی منتقل ہو گئے اور آخری دم تک ان کے پاس رہے اور وہاں ہی فوت ہوئے۔

## پُرانی یادیں

آپ کو مجھ سے بیحد محبت تھی۔ اس کی وجوہات ذیل تھیں :۔

ا۔ چوہدری صاحب مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی احسن مرحوم میرے کلاس فیلو اور سکول فیلو تھے۔ جب ہم مشن ہائی سکول گجرات میں جونیئر کلاس میں داخل ہوئے۔

۲۔ میں نے ۱۹۲۵ء میں بیعت کی اور ہمیشہ ان کے ہمراہ سالانہ اجتماع پر لاہور جاتا رہا۔

(باقی بر صفحہ ۸ کالم ۲)

# شذرات

## جوابِ تنقید

[جناب جسٹس قدیرالدین صاحب سابق چیف جسٹس ہائی کورٹ نے "قرآنی نظریۂ ریاست" پر ایک پُرمعارف مقالہ سپردِ قلم فرمایا تھا۔ اس پر پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب نے فروری اور مئی ۱۹۷۵ء کے ترجمان القرآن میں ایک تنقیدی مضمون شائع کرایا۔ جناب قدیرالدین صاحب نے اس کا جواب دیا ہے جو ترجمان القرآن مارچ ۱۹۷۶ء میں شائع ہُوا ہے۔ اس میں سے چند سطور ہم قارئین پیغامِ صلح کی دلچسپی کے لئے پیش کرتے ہیں ―――――――――― ادارہ]

"صدیقی صاحب کو ڈر یہ ہے کہ اگر انسان نے اسلام کی ہمہ گیری جان لی تو لاشعوری طور پر دینِ برحق سے دُور ہو جائے گا۔ کیوں ... دین؟ اسی دین سے جو آفاقی، ابدی، سرمدی اور ہمہ گیر ہے؟ اس سے تو وہ قریب ہوگا۔ البتہ فرقہ بندیوں اور ردّ کی تکرار سے دُور ہو جائے گا۔ جس طرز خیال نے یہ خیال کیا ہے کہ صحیح بخاری، جس کو آج کلام پاک کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب کہتے ہیں، اس کے مرتب امام بخاریؒ کی زندگی میں ان کو اتنا تنگ کیا گیا کہ انہوں نے مرنے کی آرزو کی۔ آج امام ابوحنیفہ رح کے فتوؤں کو اعتقادات کا درجہ دیتے ہیں۔ مگر ان کی زندگی میں ان پر کفر کا فتوےٰ لگایا گیا۔ اگر اسلام کی آفاقیت اور ہمہ گیری کو جانتے اور مانتے تو مولانا حالیؒ، مولانا شبلیؒ، ڈاکٹر اقبالؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی پر کُفر کے فتوے نہ لگتے۔ دلوں میں اختلاف کی سمائی ہوئی اتنی وسعت ہوتی کہ دوسروں کی نیک نیتی کو تسلیم کریں۔ بس کسی کی ایک آدھ بات اپنے خیال کے خلاف ملی اور اس کی عزت کو مٹا دینے کے درپے ہو گئے، اور کافر بنا کر خوش ہوتے کہ ہماری پارٹی کی فتح ہو گئی۔ اگر ہم خیال بنا کر مسلمان نہ کیا تو کیا ہوا۔ کافر تو بنا کر چھوڑا۔ جو داغ ہم نے لگایا ہے اس کی بُو آنے والی نسلوں کی ناک میں تو جائے گی۔ ادھر یہ ہوا کہ لفظ کُفر سے نفرت کی بُو دُور ہوتی چلی گئی۔ اور لاکھوں مسلمانوں نے اُن ہی "کافروں" کی عزت بھی کی اور اُنکو مظلوم بھی جانا۔ اب ان اختلافات کا فیصلہ روزِ حساب میں اللہ کے سامنے ہوگا۔ کیونکہ ایسے اختلافات کا فیصلہ اس نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے۔" (المائدہ ۵:۴۸)

---

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا

بحوالہ ماہنامہ "تحریکِ جدید" ربوہ (بلاتبصرہ): ―

## "دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی"

"رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ―

انّ اللہ یبعث لھٰذہ الامّۃ علیٰ رأس کلّ مأۃ سنۃ یجدد لھا دینھا۔

یعنی ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو مبعوث فرمایا کرے گا جو اس اُمّت کے لئے ان کے دین کی تجدید کریگا۔

حدیث معروف ہے۔ خواص و عام اسے جانتے ہیں اور اس لئے بھی جانتے ہیں کہ گذشتہ صدیوں میں مجددین کی بعثت سے وہ واقف ہیں۔ اور متعدد مجددین کے نام بھی بتا سکتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تجدیدِ دین کا کیا مطلب ہے۔ ماہنامہ "الحق" ایک حالیہ اشاعت میں دیوبند کے متعلق لکھتا ہے: ―

"ہر ایک صدی میں کوئی نہ کوئی مجدد آئے گا جو دین کو نکھارے گا عقائد، اعمال اور کلیاتِ دین میں لوگ جو فرق اور خرابی ڈالیں گے مجدد ہر صدی میں آکر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کر دے گا۔"

حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام نے بھی اس زمانے میں تجدیدِ دین کرنے کا دعوےٰ کیا اور یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ نہیں تو اس زمانے میں اور کون تجدید کرنے والا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے تجدیدِ دین فرمائی اور دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کر دیا۔ لیکن لوگوں کو اعتراض ہے کہ حضور نے ان سے اختلاف کیوں کیا۔ ستم ظریفی کی حد ہے کہ ایک شخص کرے تو تجدید لیکن اس سے توقع یہ رکھی جائے کہ وہ وہی کچھ کہے جو دوسرے کہتے ہیں۔ اور وہی کچھ کرے جو دوسرے کرتے ہیں۔ یہ بات ناممکن ہے۔ نہ کبھی پہلے ایسا ہوا ہے اور نہ کبھی آئندہ ہوگا۔ مجدد تو لوگوں سے اختلاف کرے گا اور اُن سے کہے گا کہ وہ فلاں بات میں غلطی پر ہیں۔ وہ ان کے اعمال بھی درست کرے گا اور ان کے عقائد بھی۔ اور یقین جانئے کہ ہر مجدد ایسا ہی کرے گا اور ایسا ہی کرتا رہا ہے۔

پھر حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے بارے میں توقعات کیوں مختلف ہوں۔ ان پر یہ اعتراض کیوں کیا جائے کہ انہوں نے تو وہ باتیں کہی ہیں جو جمہور کے عقیدے کے خلاف ہیں۔ اگر جمہور ہی نے ہمیشہ درست ہونا ہے تو مجدد کیوں آئیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب۔ آپ خود ہی اس پر غور فرمائیں۔"

---

## یادِ رفتگاں ―― بسلسلہ ماسبق

۳۔ آپ کے مکان اور میرے مکان میں ۵۰۰ گز کا فاصلہ ہوگا۔ محمد احمد کے پاس راولپنڈی جانے سے پہلے مکان پر جب آپ اکیلے ہوتے نوکر بھیج کر مجھے منگوا لیتے اور اگر نوکر نہ ہوتا تو خود میرے مکان پر آتے۔ دروازے کی کنڈی کھڑکاتے۔ ہم سمجھ لیتے کہ محترم چیمہ صاحب آئے ہیں۔

ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ "تمہارے بچوں کے نام بڑے پیارے ہیں۔ بشارت احمد سعادت احمد۔ دونوں لندن میں ہیں۔ ماہوار کتنی رقم آپ کو بھیجتے ہیں؟" میں نے بجواب کہا: "چیمہ صاحب، میرا خدا زندہ ہے۔ میرا اس پر زندہ ایمان ہے۔ میں اس کے سوا کسی کا محتاج نہیں۔" فرمانے لگے "میرے لئے ایک بات معمّہ بنی ہوئی ہے۔ مرکزی انجمن سے جو تحریک ہو، اس میں تم شامل ہوتے ہو۔ تمام اہل خانہ (فضل داد۔ بیگم دختر) ماہوار چندہ باقاعدہ دیتے ہو۔ اس کے علاوہ تم اپنی بیگم مرحومہ کا ماہوار چندہ اس کی وصیت کے مطابق دو روپیہ ماہوار ۱۹۳۹ء سے ادا کر رہے ہو آخر یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے؟" محترم چیمہ صاحب ۱۹۶۹ء سے میں نائی کی دکان پر نہیں گیا۔ اپنی حجامت خود بناتا ہوں۔ کپڑے گھر پر دھو کر استری کر لیتے ہیں۔ پندرہ بیس دن کے بعد گوشت خریدتے ہیں۔ آبائی زمین سے کچھ گندم آ جاتی ہے۔ ۷۵/- روپے ماہوار پنشن ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے ہوگا کہ میری دختر مسرّت بیگم لوکل گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گجرات میں ملازم ہے۔ وہ تمام تنخواہ میرے حوالے کرتی ہے۔ یہ تمام باتیں غور سے سننے کے بعد مرحوم نے فرمایا فضل داد تمہاری عزت میرے دل میں بڑھ گئی ہے۔ میں نے شکریہ ادا کیا۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

---

ہفت روزہ پیغامِ صلح خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں۔

# شذرات

## جوابِ تنقید

[جناب جسٹس قدیرالدین صاحب سابق چیف جسٹس ہائی کورٹ نے "قرآنی نظریہ ریاست" پر ایک پُرمعارف مقالہ سپردِ قلم فرمایا تھا۔ اس پر پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب نے فروری اور مئی ۱۹۷۵ء کے ترجمان القرآن میں ایک تنقیدی مضمون شائع کرایا۔ جناب قدیرالدین صاحب نے اس کا جواب دیا ہے جو ترجمان القرآن مارچ ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا ہے۔ اس میں سے چند سطور ہم قارئین پیغام صلح کی دلچسپی کے لئے پیش کرتے ہیں ——— ادارہ]

"صدیقی صاحب کو ڈر یہ ہے کہ اگر انسان نے اسلام کی ہمہ گیری جان لی تو لاشعوری طور پر دین برحق سے دُور [illegible] اسی دین سے [illegible] ابدی، سرمدی اور ہمہ گیر [illegible] ہوگا۔ البتہ فرقہ بندیاں اور روز کی تکرار سے دُور [illegible] خیال نے یہ خیال کیا ہے کہ صحیح بخاری، جس کو آج کلام پاک کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب کہتے ہیں، اس کے مرتب امام بخاریؒ کی زندگی میں [illegible] اتنا تنگ کیا گیا کہ انہوں نے مرنے کی آرزو کی۔ آج امام ابوحنیفہ رحؒ کے فتووں کو اعتقادات کا درجہ دیتے ہیں۔ مگر ان کی زندگی میں ان پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ اگر اسلام کی آفاقیت اور ہمہ گیری کو جانتے اور مانتے تو مولانا حالیؒ، مولانا شبلیؒ، ڈاکٹر اقبالؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی پر کفر کے فتوے نہ لگتے۔ دلوں میں اختلاف کی سمائی ہوتی اتنی وسعت ہوتی کہ دوسروں کی نیک نیتی کو تسلیم کریں۔ بس کسی کی ایک آدھ بات اپنے خیال کے خلاف ملی اور اس کی عزت کو مٹا دینے کے درپے ہو گئے اور کافر بنا کر کافر گر خوش ہوتے کہ ہماری پارٹی کی فتح ہو گئی۔ اگر ہم خیال بنا کر مسلمان نہ کیا تو کیا ہوا۔ کافر تو بنا کر چھوڑا۔ جو داغ ہم نے لگایا ہے اس کی بُو آنے والی نسلوں کی ناک میں تو جائے گی۔ ادھر یہ ہوا کہ لفظ کفر سے نفرت کی بُو دُور ہوتی چلی گئی۔ اور لاکھوں مسلمانوں نے اُن ہی "کافروں" کی عزت بھی کی اور انکو مظلوم بھی جانا۔ اب ان اختلافات کا فیصلہ روزِ حساب میں اللہ کے سامنے ہوگا۔ کیونکہ ایسے اختلافات کا فیصلہ اس نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے۔" (المائدہ - ۵:۴۸)

---

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

بحوالہ ماہنامہ "تحریک جدید" ربوہ (بلا تبصرہ): —

## "دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی"

"رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: —

ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مأۃ سنۃ یجدد لھا دینھا۔

یعنی ہر صدی کے سر پر اللہ تعالےٰ ایک ایسے شخص کو مبعوث فرمایا کرے گا جو اس اُمت کے لئے ان کے دین کی تجدید کریگا۔

حدیث معروف ہے۔ خواص و عام اسے جانتے ہیں اور اس لئے بھی جانتے ہیں کہ گذشتہ صدیوں میں مجددین کی بعثت سے وہ واقف ہیں۔ اور متعدد مجددین کے نام بھی بتا سکتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تجدیدِ دین کا کیا مطلب ہے۔ ماہنامہ "الحق" ایک حالیہ اشاعت میں دیوبند کے متعلق لکھتا ہے: —

"ہر ایک صدی میں کوئی نہ کوئی مجدد اُٹھے گا جو دین کو نکھارے گا عقائد، اعمال اور کلیاتِ دین میں لوگ جو فرق اور خرابی [illegible] گے مجدد ہر صدی میں آکر دُودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دے گا۔"

حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود [illegible] زمانے میں تجدیدِ دین کرنے کا دعوےٰ کیا اور [illegible] اس زمانے میں اور کون تجدید کرنے والا ہے۔ چنانچہ [illegible] تجدیدِ دین فرمائی اور دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی [illegible] لیکن لوگوں کو اعتراض ہے کہ حضور نے [illegible] ستم ظریفی کی حد ہے کہ ایک شخص کرے تو تجدید [illegible] مانے کہ وہ وہی کچھ کہے جو دوسرے کہتے [illegible] کچھ کرے تو دوسرے [illegible] بات [illegible] ممکن ہے [illegible] مجدد تو لوگوں سے اختلاف [illegible] گا اور [illegible] پر ہیں۔ وہ ان کے اعمال بھی درست کرے [illegible] اور یقین جانئے کہ ہر مجدد ایسا ہی کرے گا اور ایسا [illegible]

پھر حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے بارے [illegible] مختلف ہوں۔ ان پر یہ اعتراض کیوں کیا جائے کہ انہوں نے تو وہ باتیں کہی ہیں جو جمہور کے عقیدے کے خلاف ہیں۔ اگر جمہور ہی [illegible] ہوتا ہے تو مجدد کیوں آئیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب۔ آپ خود ہی اس پر غور فرمائیں۔"

---

## یادِ رفتگان ——— بسلسلہ گذشتہ

۳۔ آپ کے مکان اور میرے مکان میں ۵ کرم کا فاصلہ ہوگا۔

محمد احمد کے پاس راولپنڈی جانے سے پہلے مکان پر جب آپ اکیلے ہوتے نوکر بھیج کر مجھے منگوا لیتے اور اگر نوکر نہ ہوتا تو خود میرے مکان پر آتے۔ دروازے کی کنڈی کھڑکاتے۔ ہم سمجھ لیتے کہ محترم چیمہ صاحب آئے ہیں۔

ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ "تمہارے بچوں کے نام بڑے پیارے ہیں۔ بشارت احمد، سعادت احمد۔ دونوں لندن میں ہیں۔ ماہوار کتنی رقم آپ کو بھیجتے ہیں؟" میں نے بجواب کہا: "چیمہ صاحب! میرا خدا زندہ ہے۔ میرا اس پر زندہ ایمان ہے۔ میں اس کے سوا کسی کا محتاج نہیں۔" فرمانے لگے "میرے لئے ایک بات معمہ بنی ہوئی ہے۔ مرکزی انجمن سے جو تحریک ہو، اس میں تم شامل ہوتے ہو۔ تمام اہل خانہ (فضل داد۔ بیگم دختر) ماہوار چندہ باقاعدہ دیتے ہو۔ اس کے علاوہ تم اپنی بیگم مرحومہ کا ماہوار چندہ اس کی وصیت کے مطابق دو روپیہ ماہوار ۱۹۳۹ء سے ادا کر رہے ہو آخر یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے؟" محترم چیمہ صاحب ۱۹۶۹ء سے میں نائی کی دکان پر نہیں گیا۔ اپنی حجامت خود بناتا ہوں۔ کپڑے گھر پر دھو کر استری کر لیتے ہیں۔ پندرہ بیس دن کے بعد گوشت خریدتے ہیں۔ آبائی زمین سے کچھ گندم آ جاتی ہے۔ -/35 روپے ماہوار پنشن ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے ہوگا کہ میری دختر مسرت بیگم لوکل گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گجرات میں ملازم ہے۔ وہ تمام تنخواہ میرے حوالے کرتی ہے۔ یہ تمام باتیں غور سے سننے کے بعد مرحوم نے فرمایا فضل داد تمہاری عزت میرے دل میں بڑھ گئی ہے۔ میں نے شکریہ ادا کیا۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

---

**ہفت روزہ پیغامِ صلح خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں۔**



بقلم جناب شاہد عزیز صاحب انگلستان

# مِلّتِ اسلامیہ کیلئے ایک سبق

"مغرب میں عیسائیت کا مستقبل" کے موضوع پر زاہد عزیز صاحب نے سالانہ جلسہ پر جو تقریر کی تھی وہ ۲۸ جنوری کے پیغام صلح میں شائع ہو چکی ہے زاہد عزیز صاحب نے نہایت مدلل طریقہ سے اس مضمون پر بحث کی ہے۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:۔

سائنسی ترقی کی بنیاد یہ ہے کہ ہر اصول منطق اور مشاہدہ کی بناء پر قائم کیا جائے۔ ان اصول کو جب بائبل کی تعلیمات پر منطق اور مشاہدہ کیا گیا تو وہ غلط ثابت ہوئیں۔ تو گویا اندھا دھند ایمان کی جگہ جونہی SCIENTIFIC تکنیک نے لی تو عیسائیت کی بنیادیں ہل گئیں۔ TECHNOLOGICAL ترقی سے ایک تو انسان کی مالی حالت بہتر ہو گئی دوسرے انسان کو وہ وسائل میسر آ گئے جنہوں نے اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ مختلف مذاہب کا مقابلہ کر سکے۔ سائنس اور TECHNOLOGY نے انسان کو زندگی کی آسائشیں بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کو انتہائی پیچیدہ بنا دیا۔

عیسائیت کی کمزور اور بگڑی ہوئی تعلیمات چونکہ ان مسائل کا حل پیش نہیں کر سکیں، اس لئے یورپین قومیں عیسائیت کو چھوڑ کر الحاد کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہیں۔ سطحی طور پر دیکھا جائے تو عیسائیت کا تنزل خوشی کی بات ہے۔ لیکن یہ کافی نہیں کہ ہم یورپ میں عیسائیت کے تنزل پر خوش ہو کر بیٹھ رہیں۔ پہلی بات جس کا ہمیں فیصلہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایک قوم عیسائیت سے الحاد کی طرف مائل ہو تو کیا یہ واقعی خوشی کی بات ہے۔ عیسائیت کی تعلیم کتنی ہی کمزور اور بگڑی ہوئی ہو اس میں سچائی کا تھوڑا بہت عنصر تو باقی ہے۔ بنیادی طور پر عیسائیت کا عقیدہ تو یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور وہ انسانیت کو صحیح راستہ دکھانے کے لئے نبی بھیجتا ہے تو کیا ہمارے لئے یہ خوشی کی بات ہے کہ یورپ کی قومیں خدا کی تعلیم (چاہے وہ بگڑی ہوئی حالت میں کیوں نہ ہو) چھوڑ کر کفر اور الحاد کی طرف رجوع کر رہی ہیں۔ خوشی تو اس بات کی ہو کہ اگر یہ قومیں عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام کی طرف رجوع کریں۔ **ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ عیسائیت کی تعلیمات کو غلط ثابت کرنے میں ملتِ اسلامیہ نے کیا کردار ادا کیا ہے۔** یہ تعلیمات تو حالات نے خود ہی غلط ثابت کی ہیں۔ جماعتِ احمدیہ نے باوجود محدود وسائل کے اپنی طرف سے پوری کوشش کی۔ لیکن اگر ملتِ اسلامیہ کو دیکھا جائے تو مجموعی طور پر کبھی بھی ہم نے عیسائیت کو چیلنج نہیں کیا۔ یہ خداوند کریم کی مہربانی تھی کہ اس نے خود ہی عیسائیت کی تعلیمات کو باطل ثابت کر دیا اور مسلمانوں کے لئے تبلیغ اسلام کا کام آسان بنا دیا۔ مگر افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ ہم نے اس موقعہ سے بھی کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ **اب تک تو صرف جماعتِ احمدیہ ہی اس سلسلہ میں کچھ کام کر رہی ہے۔** اقتصادی حالات کی وجہ سے جب غیر احمدی مسلمانوں نے یورپ میں آباد ہونا شروع کیا تو پھر بھی تبلیغ اسلام کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔ آج جبکہ برطانیہ میں صرف دو لاکھ سے زائد تو پاکستانی مسلمان ہی ہیں منظم طریقہ سے کام نہیں ہو رہا۔ جو یورپین مسلمان ہوتے ہیں ان میں زیادہ تعداد تو ان لڑکیوں کی ہے جو مسلمانوں سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اسلام کو مذہب حق سمجھ کر مسلمان ہونے والے آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ ہم زاہد صاحب کے تجزیہ سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ ہم وہی غلطیاں تو نہیں دوہرا رہے جو عیسائیت اور اس سے پہلے باقی مذاہب کرتے رہے۔ یہ غلطیاں کیا تھیں ان کا ذکر زاہد صاحب کے مضمون میں نہیں۔ لیکن میری رائے میں پہلی غلطی تو یہ تھی کہ خدا کی تعلیم کی تفسیر اسی کے کلام سے کرنے کی بجائے لوگ علماء کی تفسیروں پر تکیہ کر کے بیٹھ رہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اصل تعلیم تو کھو گئی صرف تفاسیر ہی باقی رہ گئیں۔ مسلمان خوش قسمت ہیں کہ خدا نے خود صحیح اور سچے [illegible] کا دفاع کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

لیکن مسلمانوں میں یہ بھی رجحان تقویت پکڑتا جا رہا ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کرنے کی بجائے دوسروں پر بھروسہ کیا جائے۔ کیا یہ مسلمان کا فرض نہیں کہ وہ خود قرآن کی آیات کو پڑھے اور سمجھے، اگر ایک جگہ معنے واضح نہ ہوں تو نہ تو آیات منسوخ سمجھی جائیں اور نہ ہی ان کے متعلق کہانیاں بنا لی جائیں۔ بلکہ دوسری آیات کی روشنی میں انہیں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ذرا سوچیں کہ اگر خداوند تعالےٰ خود اسلام کی حفاظت نہ کرتا تو پچھلے چودہ سو سال میں قرآن حکیم کی جو بے شمار تفسیریں ہوئیں وہ مذہب اسلام کو کہاں سے کہاں لے جاتیں۔ عیسائیت کے مختلف فرقوں کی بنیاد اناجیل کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بنیادی طور پر کیا یہی چیزیں مسلمانوں میں فرقہ بندی کی بنیاد نہیں بن رہی؟ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ خدا نے چودہ سو سال میں قرآن کریم میں تحریف (Corruption) نہیں ہونے دی مگر ہم تو آج تک "مسلمان" کی تعریف بھی نہیں کر سکے!

نامکمل اور بگڑی ہوئی تعلیم ہونے کی وجہ سے عیسائیت زندگی کے مسائل کا حل پیش نہ کر سکی۔ عیسائی علماء نے ٹھوس حل تلاش کرنے کی بجائے کفر کے فتووں اور اندرونی جھگڑوں کو ترجیح دی۔ یہ سب اس لئے کیا گیا تاکہ عوام غیر ضروری مسائل میں اُلجھے رہیں۔ اور اصل مسائل ان کی نظروں سے اوجھل رہیں۔ یہ حربے آخر کب تک کام کرتے! **جونہی عوام کو احساس ہُوا کہ زندگی کے مسائل کا حل عیسائیت میں نہیں** وہ الحاد کی طرف مائل ہونے لگے۔ مگر مسلمان علماء کیوں ماڈرن زندگی کے مسائل کا حل پیش کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں؟ اس لئے نہیں کہ اسلام ان مسائل کو حل نہیں کر سکتا بلکہ اس لئے کہ ان مسائل کے حل ڈھونڈنے کے لئے جس قدر علم، تحقیق اور دیانت و صبر کی ضرورت ہے وہ ان میں نہیں۔ کیا فتویٰ کفر جاری کرنا کسی ٹھوس کام کرنے سے زیادہ آسان نہیں؟ جب تک مسلمان علماء مذہب کا صحیح مقصد نہ سمجھیں گے وہ کبھی بھی عیسائیت کو زیر نہ کر سکیں گے۔

خدا کا مقصد نبیوں کو بھیجنے کا یہ تھا کہ جس روحانی سطح پر انسانیت ایک خاص زمانہ میں تھی اُس سے اُسے بلند کیا جائے۔ رسولِ کریمؐ کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت کو وہ تعلیم مہیا کی جائے جس پر عمل کر کے وہ روحانی معراج حاصل کرے۔ انسان چونکہ خود ہی سائنٹیفک اصول دریافت کر سکتا تھا اس لئے خدا نے دنیاوی چیزوں میں ترقی کے لئے اسے کوئی تعلیم مہیا نہ کی۔ جو غلطی عیسائیت اور دوسرے مذاہب نے کی وہ یہ تھی کہ وہ اس اصول کو نہ سمجھے۔ اگر سائنسی ترقی ہوئی تو پہلے ہر ایجاد اور دریافت کو مذہب کے خلاف قرار دے دیا گیا۔ لیکن جب یہ چیزیں تسلیم شدہ حقائق بن گئیں تو کہا گیا کہ اس کی پیشگوئی ہماری کتاب میں کی جا چکی تھی۔

اس کی مشہور مثال چرچ کا گیلیلیو کو یہ کہنا کہ یا تو جو سائنٹیفک حقائق منطق اور مشاہدہ کی بنیاد پر تم نے دریافت کئے ہیں اُن سے انکار کرو یا موت قبول کرو۔ حضرت عیسےٰ کی تعلیمات کا مقصد تو انسان کو روحانی [illegible] کا ذریعہ عطا کرنا تھا نہ کہ خدا کے ان اُصولوں کا بیان جو انسان نے خود ہی دریافت کر لئے تھے۔

اسلام چونکہ کامل مذہب ہے اس لئے وہ انسان کی جسمانی، اخلاقی اور رُوحانی حالتوں میں فرق تسلیم نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات انسان کی ہر ایک حالت کو معراج پر پہنچانے کے لئے ہیں۔ اُصول قرآن کریم نے بیان کئے اور تفصیل رسولِ خداؐ نے۔ تو یہ کہنا فضول ہے کہ سائنس کا فلاں اُصول اسلام

کی تعلیمات کے خلاف ہے یا یہ کہ فلاں ایجاد اسلام کی تعلیمات کو خطرہ میں ڈالتی ہے۔ ہمارے علمائے کرام ہر نئی ایجاد کے استعمال پر ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں اور کچھ عرصہ گذرنے کے بعد یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ نہیں جی اس کی اجازت تو چودہ سو سال پہلے قرآن مجید میں دی گئی تھی۔ اسی گڑھے میں دوسرے مذہب گرے اور اب اسی طرف ہم رواں ہیں۔ رسول کریمؐ نے تو ہر قسم کا علم حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور یہاں یہ حال تھا کہ کوئی انگریزی پڑھے تو وہ کافر ہو جاتا تھا۔ مذہب کے مقصد کو نہ سمجھنا اس کی تعلیمات کو توڑنا مروڑنا اور غلط جگہ چسپاں کرنا عیسائیت کے لئے باعث تنزل ہُوا۔ یہی غلطی اب ہمارے علماء کر رہے ہیں یہ فتوے کہ ہر وہ شخص جو یہ مانے کہ انسان چاند پر اتر چکا ہے کافر ہے۔ حماقت کی انتہا ہے یا نہیں۔ سائنس کی ترقی ان اصولوں کی دریافت جن کی بنیاد پر یہ کائنات قائم ہے اور ان اُصولوں کا استعمال تو رضائے خداوندی ہے اور ہم اس کی رضا کے خلاف کس طرح جا سکتے ہیں۔

اسلام کا مقصد انسانیت کو ان اصولوں سے روشناس کروانا ہے جن سے جسمانی، اخلاقی اور روحانی معراج حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں اور سائنٹیفک اور TECHNOLOGICAL (ٹیکنالوجی) ایڈوانس میں کوئی تضاد نہیں۔ جس چیز میں انسان خود ترقی کر سکتا تھا (یعنی کہ سائنسی اُصولوں کا دریافت اور ان کا استعمال) وہ خدا نے انسان پر چھوڑ دی۔ لیکن جن چیزوں میں ترقی کی صلاحیت انسان میں نہ تھی ان کے لئے خدا نے اُصول بنانے اور اپنے رسولوں کے ذریعے انسانیت کو ان سے روشناس کروایا، پھر قرآن میں وہ تمام اُصول جمع کر دیئے جن کے استعمال سے آدمی کامل انسان بن جاتا ہے۔

جو غلطیاں دوسرے مذاہب کے تنزّل کا باعث بنیں وہی اب ہم کر رہے ہیں۔ علماء کی ان حماقتوں سے پہلے تو دانشور مذہب سے برگشتہ ہوئے اور جوں جوں تعلیم پھیلے گی ہر ایک پڑھا لکھا مذہب سے دُور ہوتا چلا جائیگا کاش ہمارے عُلماء اس بات کو سمجھ سکیں۔

---

# دُنیا کے تمام مسائل صرف اسلام حل کر سکتا ہے

## مغربی ممالک مادی ترقی کے باوجود اخلاقی خرابیاں ختم کرنے میں ناکام ہوئے۔

> لندن میں اسلامی کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سے شاہزادہ محمد الفیصل نے نے جو خطاب کیا۔ وہ قارئین کرام کے ازدیاد ایمان کی خاطر درج ذیل ہے اس بیان کے پڑھنے سے واضح ہوگا۔ کہ اسلام کی جو تصویر اس میں پیش کی گئی ہے وہ تمام تر وہی ہے جو جماعت احمدیہ نے آج سے پون صدی پہلے مغرب میں پیش کر کے نہ صرف اسلام کے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ۔۔۔ ہزاروں مغرب کے باشندوں کو اسلام میں لانے کا موجب ہوئی ۔۔۔ دنیا کے متقدر مُسلمان، عُلماء اور اُمراء بھی اس نکتہ نگاہ سے متفق ہو چکے ہیں (ادارہ)

لندن۔ ۱۴ر اپریل (بی۔بی۔سی) کل رائل البرٹ ہال میں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس شروع ہو گئی سعودی عرب کے شہزادہ محمد الفیصل نے کانفرنس کا افتتاح کیا شہزادہ محمد الفیصل نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ مغربی ملکوں میں اسلام کے بارے میں متعدد غلط باتیں بتائی جا رہی ہیں کانفرنس کی غرض و غایت یہ ہے کہ اسلام کا صحیح مفہوم کیا ہے انہوں نے کہا کہ اسلام پیغمبروں کا لایا ہوا مذہب ہے جس نے عوام کو اللہ تعالےٰ کی حقانیت سے آگاہ کیا۔ اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے ذات پات اور اونچ نیچ اور رنگ و نسل کا امتیاز مٹایا اور دُنیا کو مساوات کا درس دیا، اسلام کے نزدیک اللہ کے سارے بندوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔

البتہ ان لوگوں کو امتیاز حاصل ہے جو اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے احکام پر عمل کر کے عوام کی خدمت میں زیادہ منہمک نظر آتے ہیں۔ اسلام نے مظالم کا سدِباب کرنے کے لئے خصوصی احکام صادر کئے ہیں۔ اسلام پسماندہ طبقات کی امداد اور غریبوں اور یتیموں کی خدمت کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اسلام میں سُود حرام ہے اور اسلام سُود خور کو بہت بڑا مجرم قرار دیتا ہے۔ انسانیت کی خدمت اسلام کا سب سے بڑا اُصول ہے۔ اسلام انصاف اور رَواداری کا مذہب ہے اور اسلام بلا امتیاز مذہب و ملت ظلم کرنے والوں کو شدید نوعیت کی سزاؤں کا مستوجب قرار دیتا ہے۔ اسلام نے کبھی ایسے لوگوں کی حمایت نہیں کی جو خود غرضانہ مقاصد رکھتے ہوں اور اللہ تعالےٰ کی مخلوق کا استحصال چاہتے ہوں۔ اسلام قوموں کے اِتحاد کا علمبردار ہے اور جارحیت کا مخالف ہے۔ اسلام یہ دیکھنے کا متمنّی ہے کہ مشرق، مغرب نیز شمال اور جنوب کے باشندے بھائیوں کی طرح رہیں اور ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہوں۔ شہزادہ محمد الفیصل نے کہا یہ درست ہے کہ مغربی ملکوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں بڑی ترقی کی ہے۔ لیکن خواہشات نفسانی پر قابو پا سکے اگر انسان اپنی خواہشات کا غلام نہ ہو تو دنیا جارحیت سے محفوظ ہو جائے۔ ایسے حالات میں کسی کو ایٹم بم بنانے کی ضرورت محسوس نہ ہو نہ کسی کو بین البر اعظمی میزائلوں کے حملے کا خدشہ ہو۔ دنیا میں ہمدادی کا جذبہ بڑھے ایک انسان دوسرے کو بھائیوں کی طرح عزیز ہو۔ کل کانفرنس میں اُردن، ایران، کویت، ترکی، سوڈان، اور الجزائر کے علماء اور جماعت اسلامی کے امیر مولانا طفیل محمد نے تقریر کی۔

رائٹر کے مطابق یورپ میں ہونے والی یہ سب سے بڑی اسلامی کانفرنس ہے اسلامی کانفرنس برائے یورپ کے سیکرٹری جنرل سالم عظام نے کانفرنس میں شریک نمایندوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس کا کوئی سیاسی مقصد نہیں یہ کانفرنس اسلامی کونسل اور عبدالعزیز یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام ہو رہی ہے جس کی غرض و غایت اسلام کو صحیح شکل میں پیش کرنا ہے۔ یہ دس روزہ کانفرنس بین الاقوامی اسلامی جشن کا ایک حصّہ ہے جو تین ماہ جاری رہے گا اس پر بیس لاکھ پونڈ خرچ ہوں گے۔ سالم عظام نے کہا کہ اسلامی کانفرنس یورپ میں آباد ڈھائی کروڑ مسلمانوں کے مسائل سے نمٹنے کے لئے بُلائی گئی ہے اسلام یورپ میں سب سے بڑا مذہب ہے اور مسلمان

۴۴

جاتے ہیں کہ معاشرتی سرگرمیوں میں ذمّے دار افراد کی حیثیت سے شریک ہوں مغرب تیرہ سو سال سے اسلام کو اپنا دشمن اور اپنے لئے خطرہ سمجھتا ہے ہم امید رکھتے ہیں کہ یہ رحجانات اب مفاہمت اور تعاون کے جذبے میں بدل جائیں گے۔ سعودی عرب کے شہزادہ محمد الفیصل نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ یہ کانفرنس تاریخی حیثیت رکھتی ہے یُورپ نے پہلی مرتبہ عالمِ اسلام سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے اسلامی تہذیب اور عالمی تاریخ پر اسلام کے اثرات کے بارے میں مغرب کی دلچسپی قابلِ قدر ہے۔ بہرحال اس دَور میں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اسلام کے پیغام پر توجّہ مرکوز کی جائے اور وہ تصوّرات نمایاں کئے جائیں جو انسان اور معاشرے میں اسلام پیش کرتے ہیں۔ اس کانفرنس میں مختلف موضوعات پر تقریریں ہوں گی اور مقالات پڑھے جائیں گے۔ اجلاس میں سعودی عرب کے وزیر اطلاعات الجزائر کے وزیر برائے امور مذہبی ازہر یونیورسٹی کے شیخ اور اسلامی سیکرٹریٹ کے سیکرٹری جنرل بھی شریک ہیں۔ بیت المقدس کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آئے گا۔ لیکن نہتے عربوں پر اسرائیل کے تشدّد اور مسجد اقصےٰ کی بے حرمتی کے بارے میں کوئی بیان جاری نہیں کیا جائیگا۔

(بشکریہ امروز ۱۵ر اپریل ۱۹۷۶ء)

---

اسلام چیز کیا ہے خُدا کے لئے فنا + ترکِ رضائے خویش پئے مرضئ خُدا
جو مر گئے انہیں کے نصیبوں میں ہے حیات + اس راہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات
شوخی و کبر دیو لعیں کا شعار ہے + آدم کی نسل وہ ہے جو وہ خاکسار ہے
اے کرمِ خاک چھوڑ دے کبر و غرور کو + زیبا ہے کبر حضرتِ ربِّ غیوّر کو
بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں

(حضرت مسیح موعودؑ)



از راہ نورد

# سیّد ابوالاعلیٰ مودُودی کی تفسیرِ تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

## قسط نمبر ۱۱

البتہ مودودی صاحب کے ایک مدّاح جناب اسعد گیلانی صاحب نے ہفت روزہ ایشیا میں ایک مختصر مضمون بعنوان "مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا تفسیری کارنامہ" لکھا دیا ہے جس میں مختصراً اس تفسیر کے محاسن بیان کئے ہیں وہ لکھتے ہیں:۔

"تفہیم القرآن بے شمار خصوصیات کی حامل تفسیر ہے اور مولانا مودودی وسیع الاطراف جدید و قدیم علوم پر جامع معلومات و نظر رکھنے والے مفسّرِ دین۔ جہاں وہ اسلاف کی قدیم ترین تفاسیر میں سے حوالے دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں وہاں وہ جدید سائنٹیفک معلومات کو قرآن کے سانچے میں ڈھالتے اور قانونِ قدرت کے پیمانے سے ناپتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ....... وہ کسی مسئلے میں بھی کہیں منفرد نظر نہیں آتے۔ جو بات بھی بیان کرتے ہیں ان کے ساتھ اکابر علماء سلف کی ایک قطار ہمخیال دکھائی دیتی ہے ....... اسلاف سے ہٹ کر انہوں نے ایک قدم بھی تفسیر کی اس وادیٔ پُر خار میں نہیں رکھا صرف اندازِ بیان۔ لہجہ۔ مسائل کا استخراج و تجزیہ۔ دلائل اور قرآنی حکمت کا مسائلِ حاضرہ پر انطباق ان کا اپنا حِصّہ ہے۔"

پھر وہ تفسیر تفہیم القرآن کی خصوصیات گناتے ہیں:۔

"تفہیم القرآن کی سب سے بڑی خصوصیت اس کے مخاطب کا خصُوصی انتخاب ہے ...... اس کا خصُوصی مخاطب دَورِ جدید کے عالم اسلام میں مسلمانوں کی سوسائٹی کا کار فرما طبقہ ہے یہ کار فرما طبقہ جدید علُوم سے آراستہ، جدید ذوق نظر کا حامل جدید تہذیب سے مرعوب اور کچھ کچھ متاثر۔ جدید سائنسی ایجادات کا معترف اور ان سے پُوری طرح استفادہ کرنے کا قائل اور جدید یورپی قوّتوں کی ترقیات کو ان کی تہذیب اور کلچر کا مذہب سمجھنے کے معاملے میں مبتلا نظر آتا ہے .......

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مولانا مودُودی کی علمی زندگی عملی جد و جہد نظام فکر اور اسلام کے بارے میں ان کے جامع اور وسیع تصوّر کا نچوڑ اور خلاصہ موجود ہے ........... اس سے باہر مولانا مودودی کی فکر کا کوئی گوشہ موجود نہیں ہے۔

...........

اس کی تیسری خصوصیت اس کی راست فکری اور راست روی ہے الٰہیات کے پیچ در پیچ مباحث سے آزاد اور مبرّا جس انداز میں قرآن سوچتا ہے ........... مولانا مودودی نے اسی کا اتباع کیا ہے۔"

ہمیں مسلّم ہے کہ تفسیر تفہیم القرآن میں صوری حسن کا خیال رکھا گیا ہے۔ مواد کی فراہمی اور اپنے نظریات میں اُسے ڈھالنے پر بہت محنت اور وقت صرف کیا گیا ہے۔ کتاب میں بعض تاریخی مقامات کی تصویریں یا دین حرب کے عسکری خاکے اور بعض نقشے درج فرما کر معلومات کے سمجھنے میں آسانیاں فراہم کی گئیں ہیں۔ بعض طویل بحثوں میں بیشتر کتب سے حوالوں کو اس انداز میں ترتیب دیا گیا ہے کہ وہ مودودی صاحب کے مطالب کو واضح کر سکیں لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جہاں بات اُن کے مطلب سے ٹکراتی تھی وہاں ان کے مخالف سلف صالحین کے نظریات کو قطعی حذف کر دیا گیا ہے۔ مثلاً معراج نبویؐ کے بارے میں صحابہ کرامؓ میں بھی اس کی کیفیت جسمانی یا روحانی کے بارے میں اختلاف رہا اور حضرت عائشہؓ جیسی عظیم خاتون جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر تھیں وہ بھی اسے ایک روحانی کیفیت ہی سمجھتی تھیں۔ مودودی صاحب کے لئے دیانت داری کا تقاضا یہی تھا کہ وہ دونوں گروہوں کے خیالات کا ذکر فرما دیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ یہی کیفیت اور بھی بیشتر مسائل میں رہی ہے۔ شاید ان باتوں کو اسعد گیلانی صاحب الٰہیات کی پیچیدگیوں سے دور رہنے کی خواہش قرار دیں لیکن آخر معراج جسمانی قرار دینے میں بھی تو الٰہیات کی پیچیدگی ۔۔۔ کا خطرہ موجود تھا۔ اسعد صاحب تفسیر تفہیم القرآن کی سب سے بڑی خصوصیت اس کے مخاطب کا خصوصی انتخاب بیان کی ہے اب فرق صرف اس قدر ہے کہ جہاں اسعد صاحب وہ مخاطب "دور جدید کے عالم اسلام کا کار فرما طبقہ" قرار دیتے ہیں مودودی صاحب خود اسے اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگ جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں بیان کرتے ہیں۔ اس طبقہ میں اسلام کو دوبارہ راسخ کرنے اور اُسے تہذیب جدید کے سیلاب میں بہہ جانے سے بچانے میں یہ تفسیر کس حد تک کامیاب ہوگی یہ تو وقت ہی بتا سکے گا۔ ہمیں تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس کی اپیل صرف اسی طبقہ کو ہے جو پرانے خیالات اور آباؤ اجداد سے مل جانے والے اعتقادات کو دین سمجھ بیٹھا ہے۔ جس میں غلط حمیّت قومی گھر کر گئی ہے اور وہ اپنے اس قومی مسلک کو اسلام کہکر اسے درست ثابت کرنے کی جدّ و جہد میں مصروف ہے مسلمانوں کے اس طبقہ کو مودودی صاحب نے سہارا فراہم کرایا ہے اور ان آبائی اعتقادات کو اپنے قلم کے زور سے درست تسلیم کروانے کی سعی کی ہے اور اس طبقہ کو اس پر فخر و ناز کرنے پر اُبھارا ہے۔ آیا یہ تفسیر کسی غیر مُسلم کو مسلمان بنا سکتی ہے یا نہیں ہم اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ جیسا کہ صاحب تفسیر کی باتوں سے خیال گذرتا ہے غیر مسلم اس تفسیر کے مخاطب ہیں ہی نہیں۔

ایک اور صاحب جناب پروفیسر خورشید احمد نے بھی اس کتاب پر اپنے تاثرات بیان کئے ہیں۔ ان کا مضمون بعنوان "کتاب انقلاب ــــ تفہیم القرآن (ایک تاثّراتی مطالعہ)" ہے۔ اس میں سب سے اہم بات جو پروفیسر موصوف نے کہی ہے وہ ہمارے خیال میں دَورِ حاضر کے بنیادی چیلنج کی نشاندہی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:۔

اـ "دَورِ جدید میں تقریباً عالمگیر پیمانے پر وحی کا انکار یا اس سے صرفِ نظر کر کے زندگی کا پورا نقشہ ذاتی اور قومی تعصّبات یا لادینی نظریات کی روشنی میں تعمیر کرنا ــــ اشتراکی دنیا اور مغرب کی لادینی اقوام کے تصوّرات اسی ذیل میں آتے ہیں۔ ہندومت۔ بدھ مذہب اور دوسرے غیر الہامی مذاہب کے پیرو بھی ایک حد تک اسی گروہ میں شامل ہیں۔

ب۔ جو وحی کے قائل ہیں وہ بھی اس سلسلہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس وحی کو آخری سمجھتے ہیں جو ان کے نبی پر نازل ہوئی۔ اسلام کو وہ مبنی بر وحی مذہب تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

بــ یہودیت اور عیسائیت کے پیرو اس گروہ سے متعلق ہیں

ج۔ مسلمان جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیٔ برحق سمجھتے ہیں ان کا ایک بڑا حِصّہ عملاً دین و دنیا کی تقسیم و تفریق کا قائل اور اس پر عامل ہو گیا ہے۔

(۱) اس تفریق دین و دنیا کی ایک مذہبی روایت (VERSION) ہے جس میں دین کو انفرادی زندگی کے چند خاص دائروں اور اجتماعی زندگی کے چند مظاہر تک محدود کر لیا گیا ہے۔

(۲) اور ایک دنیاوی سلسلہ ہے جس میں گو اجتماعی اور ایک حد تک انفرادی زندگی کے لئے دین کو ترک تو نہیں کیا گیا مگر اس کی اصل تعلیمات کے حقیقی مفہوم کو تبدیل کر دیا گیا ہے یا کیا جا رہا ہے۔ یہ گروہ اسلام کا پیوند دوسرے نظاموں اور نظریات سے لگاتا ہے اور اسلام کے احکام کی ایسی تاویلات کرتا ہے جو در اصل تحریف کے مترادف ہیں۔

جس چیز کو ہم دورِ جدید کا چیلنج کہتے ہیں وہ ان ........ چار چیلنجوں پر مشتمل ہے۔

---

اوّل الذکر کے مقابلہ میں تفہیم القرآن نے وحی کا اثبات کا رویہ اختیار کیا ہے اور محکم دلائل سے بتایا ہے کہ انسان خدا کی رہنمائی کا محتاج ہے۔

ثانی الذکر کے مقابلہ میں تفہیم القرآن نے یہ دکھایا ہے کہ جو اپنے آپ کو وحی کا اجارہ دار سمجھ رہے ہیں وہ کتمان حق اور التباس حق کے مجرم ہیں۔

آخر الذکر دونوں گروہوں کو مخاطب کر کے تفہیم القرآن ان کی غلطیوں کو قرآن اور عقل کی روشنی میں بیان کرتی ہے۔"

(ہفت روزہ آئین لاہور دسمبر ۱۹۷۲ء)

ہم نے پروفیسر صاحب کے بیانکردہ امور کے جوابات کو تفہیم القرآن میں تلاش کرنے کی کوشش کی تاکہ جو شکوک اور اشکالات دورِ جدید نے انسانی ذہنوں یا مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں پیدا کر دیئے ہیں اُن کا ازالہ کرنے کا مواد مل سکے۔ ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ جس طرح پروفیسر صاحب نے کہا ہے۔ ویسا مواد ہمیں تفسیر القرآن پڑھنے سے نہیں مل سکا۔ ہم مانتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں عالمگیر پیمانے پر وحی کا انکار ہوا ہے لیکن صرف یہ کہہ دینا کہ انسان وحی کا محتاج ہے اور اُسے آسمانی راہ نمائی ملنی چاہیئے مسئلہ کا حل نہیں۔ وحی کا انکار جماعت اسلامی کے نزدیک شاید صرف یہی ہے کہ ریاست خود کو مصدر حاکمیت یا مصدر قانون سمجھے اور قوانین کے لئے کسی بالا ہستی کے اختیارات کو تسلیم نہ کرے۔ لیکن یہ تو بہت بعد کا درجہ ہے۔ پہلا درجہ تو خود خالقِ کائنات اور کسی وحی صدور ہی کا ہے۔ مودودی صاحب نے اپنی منطق اور استدلال کے زور سے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ خود خالقِ کائنات کا ہی ہو رہا ہے اور وحی کا انکار بھی در اصل اسی لئے ہے کہ خالق کو تسلیم نہیں کیا جا رہا۔

اور اس کی وجہ جیسا کہ مودودی صاحب اور پروفیسر صاحب تسلیم کریں گے یہی تو ہے کہ:۔

"جو چیز نبی اور غیر نبی کے درمیان فرق کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک غیر نبی آخرت کے حق میں جو مضبوط سے مضبوط دلائل دے سکتا ہے ان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ بس یہی ہو سکتا ہے کہ آخرت کے نہ ہونے کی بہ نسبت اس کا ہونا معقول تر اور اغلب تسلیم کر لیا جائے ........ فلسفی اگر واقعی صحیح الفکر فلسفی ہو تو وہ "ہونا چاہیئے" سے آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔ اور یقیناً "ہے" کہنا صرف ایک نبی کا کام ہے"

(تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۵۳۵)

اب یہ تو سچ ہے کہ مودودی صاحب کو نہ صاحب الہام ہونے کا دعوےٰ ہے نہ وہ وحی ولایت کے جاری رہنے کے قائل ہیں۔ چونکہ وہ خود صاحب تجربہ نہیں وہ وحی کے انکار اور اقرار کی بحث میں زیادہ تر ایک فلسفی ہی کے دلائل دے سکتے ہیں جو "چاہیئے" سے آگے نہیں جا سکتا۔ اس کا اقرارِ وحی کا درجہ بھی کسی انکار وحی کرنے والے فلسفی سے کسی طرح مختلف نہیں کیونکہ دونوں کا عقلی قیاس درست اور غلط ہو سکتا ہے۔ زمین پر انسان نے اپنی حاکمیت کا اعلان تبھی کیا جب اُس نے وحی الٰہی سے انکار کیا اور وحی الٰہی ہی آخرت پر یقینی ایمان پیدا کر سکتی ہے۔ تعجب ہے کہ جو شخص خود یہ کہتا ہو کہ دورِ جدید میں تقریباً عالمگیر پیمانے پر وحی کا انکار ہوا ہے اور جو یہ لکھے کہ غیر نبی صرف چاہیئے تک راہ نمائی کر سکتا ہے۔ یقینی ہے کی قلمرو میں اُس کی دسترس نہیں، وہ وحی کو بند بھی کہتا چلا جائے۔ کیا اس متضاد حیثیت کا انہیں شعور نہیں۔ انکار وحی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ خدا سرے سے ہے ہی نہیں وحی الٰہی کیسی؟ یا پھر یہ کہ وہ ہے تو ضرور لیکن ہمیں اس کی وحی کی ضرورت نہیں۔ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں قسم کے انکار آخر ایک ہی طرح کا پھل لاتے ہیں جو انکار باریتعالیٰ ہی ہے۔

پھر پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ وہ لوگ بھی جو وحی کے قائل ہیں وہ بھی اس کے سلسلہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُسی وحی کو آخری سمجھتے ہیں جو ان کے نبی پر نازل ہوئی۔ جہاں تک نفس وحی کا تعلق ہے (شریعت کا نہیں) کیا یہی پوزیشن خود مودودی صاحب اور انکے ہمنواؤں کی نہیں جس کا الزام وہ یہود و نصاریٰ پر رکھتے ہیں مودودی صاحب خود قائل ہیں کہ مستقل شریعت صرف حضرت موسےٰ علیہ السلام اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی۔ باقی انبیائے بنی اسرائیل شریعت موسوی ہی کے پیرو تھے:۔

"پس ...... وجہ مماثلت جس کی بناء پر آنے والے نبی کی تخصیص قابل فہم ہو اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ وہ نبی ایک مستقل شریعت لانے کے اعتبار سے حضرت موسےٰ کی مانند ہو اور یہ خصوصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی کیونکہ آپ سے پہلے بنی اسرائیل میں جو بھی آئے تھے وہ شریعت موسوی کے پیرو تھے ان میں سے کوئی بھی مستقل شریعت لے کر نہ آیا تھا۔" (تفہیم القرآن جلد پنجم ص ۲۶۱)

اس سے ظاہر ہے کہ وحی صرف شریعت نہیں بلکہ شریعت کے بغیر بھی ہوتی ہے کیونکہ بنی اسرائیل کے وہ انبیاء جن کا ذکر مودودی صاحب نے کیا ہے صاحب وحی تو ضرور تھے گو بقول اُن کے صاحب شریعت مستقلہ نہ تھے۔ اب اگر وحی کا نزول یہود و نصاریٰ صرف اپنے انبیاء تک مانتے ہیں اور ان کی بعثت کے بعد نزول وحی کو منقطع سمجھتے ہیں تو مودودی صاحب حضور نبی صلعم کے بعد ہر قسم کی وحی کو منقطع سمجھتے ہیں وہ تو حضرت مسیح کے نزول ثانی میں بھی وحی کے اجراء کے قائل نہیں۔ ایک طرف یہ حالت ہے دوسری طرف یہی لوگ اس دور کے مرض کی تشخیص وحی کا انکار بتاتے ہیں۔ اگر مرض کا ازالہ صرف گزشتہ وحی کے حوالہ اور محکم دلائل سے ہو سکتا ہے تو پھر اس وحی کا حوالہ ہر اُمت اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت تک محدود کر کے دے سکتی ہے اس میں اس اسلام کا ان الدین عند اللہ الاسلام ہونا کس طرح مخصوص ہوگا جو محمد رسول اللہ کے ذریعہ آیا۔ مودودی صاحب اس کا اثبات محض ماضی کے حوالوں سے کرتے ہیں وہ تو کوئی یہودی اور نصرانی بھی کر سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ تفہیم القرآن نے ثابت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ جو خود کو وحی کا اجارہ دار سمجھتے ہیں کتمان حق کے مجرم ہیں۔ کیا خود مودودی صاحب عامۃ المسلمین کو بھی اس جرم کا سزاوار نہیں ٹھہراتے۔ (باقی ــــ باقی)

---

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــــــــ مؤرخہ ۱۲ر اپریل ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۰ ــــــ شمارہ نمبر ۱۶

چٹ

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

(۳) اور ایک دنیاوی سلسلہ ہے جس میں گو اجتماعی اور ایک حد تک انفرادی زندگی کے لئے دین کو ترک تو نہیں کیا گیا مگر اس کی اصل تعلیمات کے حقیقی مفہوم کو تبدیل کر دیا گیا ہے یا کیا جا رہا ہے ... اور وہ اسلام کا پیوند دوسرے نظاموں اور نظریات ... لگاتا ہے اور اسلام کے احکام کی ایسی تاویلات کرتا ہے جو دراصل تحریف کے مترادف ہیں۔

جس چیز کو ہم دور جدید کا چیلنج کہتے ہیں وہ ان ........ چار چیلنجوں پر مشتمل ہے۔

اول الذکر کے مقابلہ میں تفہیم القرآن نے وحی کا اثبات کا رویہ اختیار کیا ہے اور محکم دلائل سے بتایا ہے کہ انسان خدا کی رہنمائی کا محتاج ہے۔

ثانی الذکر کے مقابلہ میں تفہیم القرآن نے یہ دکھایا ہے کہ جو اپنے آپ کو وحی کا اجارہ دار سمجھ رہے ہیں وہ کتمان حق اور التباس حق کے مجرم ہیں۔

آخرالذکر دونوں گروہوں کو مخاطب کر کے تفہیم القرآن ان کی غلطیوں کو قرآن اور عقل کی روشنی میں بیان کرتی ہے"

(ہفت روزہ آئین لاہور دسمبر ۱۹۷۲ء)

ہم نے پروفیسر صاحب کے بیانکردہ امور کے جوابات کو تفہیم القرآن میں تلاش کرنے کی کوشش کی تاکہ جو شکوک اور اشکالات دورِ جدید نے انسانی ذہنوں یا مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں پیدا کر دیئے ہیں اُن کا ازالہ کرنے کا مواد مل سکے۔ ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ جس طرح پروفیسر صاحب نے کہا ہے۔ ویسا مواد ہمیں تفسیر القرآن پڑھنے سے نہیں مل سکا۔ ہم مانتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں عالمگیر پیمانے پر وحی کا انکار ہوا ہے لیکن صرف یہ کہہ دینا کہ انسان وحی کا محتاج ہے اور اُسے آسمانی راہ نمائی ملنی چاہیئے مسئلہ کا حل نہیں وحی کا انکار جماعت اسلامی کے نزدیک شاید صرف یہی ہے کہ ریاست خود کو مصدر حاکمیت یا مصدر قانون سمجھے اور قوانین کے لئے کسی بالا ہستی کے اختیارات کو تسلیم نہ کرے۔ لیکن یہ تو بہت بعد کا درجہ ہے۔ پہلا درجہ تو خود خالقِ کائنات اور کسی وحی صدور ہی کا ہے۔ مودودی صاحب نے اپنی منطق اور استدلال کے زور سے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ خود خالقِ کائنات کا ہی ہو رہا ہے اور وحی کا انکار بھی دراصل اسی لئے ہے کہ خالق کو تسلیم نہیں کیا جا رہا۔

اور اس کی وجہ جیسا کہ مودودی صاحب اور پروفیسر صاحب تسلیم کریں گے یہی تو ہے کہ:-

"جو چیز نبی اور غیر نبی کے درمیان فرق کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک غیر نبی آخرت کے حق میں جو مضبوط سے مضبوط دلائل دے سکتا ہے ان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ بس یہی ہو سکتا ہے کہ آخرت کے نہ ہونے کی بہ نسبت اس کا ہونا معقول تر اور اغلب تسلیم کر لیا جائے ........ فلسفی اگر واقعی صحیح الفکر فلسفی ہو تو وہ ہونا چاہیئے سے آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔ اور یقیناً ہے کہنا صرف ایک نبی کا کام ہے"

(تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۵۳۵)

اب یہ تو سچ ہے کہ مودودی صاحب کو نہ صاحب الہام ہونے کا دعویٰ ہے نہ وہ وحی ولایت کے جاری رہنے کے قائل ہیں۔ چونکہ وہ خود صاحب تجربہ نہیں وہ وحی کے انکار اور اقرار کی بحث میں زیادہ تر ایک فلسفی ہی کے دلائل دے سکتے ہیں جو "چاہیئے" سے آگے نہیں جا سکتا۔ اس کا اقرارِ وحی کا درجہ بھی کسی انکارِ وحی کرنے والے فلسفی سے کسی طرح مختلف نہیں کیونکہ دونوں کا عقلی قیاس درست اور غلط ہو سکتا ہے۔ زمین پر انسان نے اپنی حاکمیت کا اعلان تبھی کیا جب اُس نے وحی الٰہی سے انکار کیا اور وحی الٰہی ہی آخرت پر یقینی ایمان پیدا کر سکتی ہے۔ تعجب ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہو کہ دورِ جدید میں تقریباً عالمگیر پیمانے پر وحی کا انکار ہوا ہے اور جو یہ لکھے کہ غیر نبی صرف چاہیئے تک راہ نمائی کر سکتا ہے۔ یقینی ہے کی قلمرو میں اُس کی دسترس نہیں وہ وحی کو بند بھی کہتا چلا جائے۔ کیا اس متضاد حیثیت کا انہیں شعور نہیں۔ انکار وحی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ خدا سرے سے ہے ہی نہیں وحی الٰہی کیسی؟ یا پھر یہ کہ وہ ہے تو ضرور لیکن ہمیں اس کی وحی کی ضرورت نہیں۔ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں قسم کے انکار آخر ایک ہی طرح کا پھل لاتے ہیں جو انکار باریتعالیٰ ہی ہے۔

پھر پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ وہ لوگ بھی جو وحی کے قائل ہیں وہ بھی اس کے سلسلہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُسی وحی کو آخری سمجھتے ہیں جو ان کے نبی پر نازل ہوئی۔ جہاں تک نفس وحی کا تعلق ہے (شریعت کا نہیں) کیا یہی پوزیشن خود مودودی صاحب اور انکے ہمنواؤں کی نہیں جس کا الزام وہ یہود و نصاریٰ پر رکھتے ہیں مودودی صاحب تو قائل ہیں کہ مستقل شریعت صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی۔ باقی انبیائے بنی اسرائیل شریعت موسوی ہی کے پیرو تھے:-

"پس ...... وجہ مماثلت جس کی بناء پر آنے والے نبی کی تخصیص قابلِ فہم ہو اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ وہ نبی ایک مستقل شریعت لانے کے اعتبار سے حضرت موسیٰؑ کی مانند ہو اور یہ خصوصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی کیونکہ آپ سے پہلے بنی اسرائیل میں جو بھی آئے تھے وہ شریعت موسوی کے پیرو تھے ان میں سے کوئی بھی مستقل شریعت لے کر نہ آیا تھا۔" (تفہیم القرآن جلد پنجم ص ۲۶۱)

اس سے ظاہر ہے کہ وحی صرف شریعت نہیں بلکہ شریعت کے بغیر بھی ہوتی ہے کیونکہ بنی اسرائیل کے وہ انبیاء جن کا ذکر مودودی صاحب نے کیا ہے صاحب وحی تو ضرور تھے گو بقول اُن کے صاحب شریعت مستقلہ نہ تھے۔ اب اگر وحی کا نزول یہود و نصاریٰ صرف اپنے انبیاء تک مانتے ہیں اور ان کی بعثت کے بعد نزول وحی کو منقطع سمجھتے ہیں تو مودودی صاحب حضور نبی صلعم کے بعد ہر قسم کی وحی کو منقطع سمجھتے ہیں وہ تو حضرت مسیح کے نزول ثانی میں بھی وحی کے اجراء کے قائل نہیں۔ ایک طرف یہ حالت ہے دوسری طرف یہی لوگ اس دور کے مرض کی تشخیص وحی کا ... مرض کا ازالہ صرف گذشتہ وحی کے حوالہ اور محکم دلائل سے ... ہے تو پھر اس وحی کا حوالہ ہر اُمت اپنی کتاب اور ... محدود کر کے دے سکتی ہے اس میں اس اسلام کا ان الدین عند اللہ الاسلام ہونا کس طرح مخصوص ہوگا جو محمد رسول اللہ کے ... مودودی صاحب اس کا اثبات محض ماضی کے حوالوں سے کرتے ہیں وہ تو کوئی یہودی اور نصرانی بھی کر سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ تفہیم القرآن نے ثابت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ جو خود کو وحی کا اجارہ دار سمجھتے ہیں کتمان حق کے مجرم ہیں۔ کیا خود مودودی صاحب عامۃ المسلمین کو بھی اس جرم کا سزاوار نہیں ٹھہراتے۔ (باقی — باقی)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۲۱ر اپریل ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۱۶

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)